تعارف

مراقبہ کے موضوع پر کتاب کی اشاعت کے بعد کچھ دوستوں کا تقاضا تھا کہ باطنی اور نفسی بُرائیاں (جس میں تقریبا ہم میں سے ہر فرد مبتلا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ سراسر فساد سے سرشار ہوگیا ہے) اس موضوع پر بھی ایک مختصر کتاب لکھی جائے۔ دوستوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ کتاب سو سوا سو صفحات سے زیادہ نہ ہو، تاکہ دعوتی نقطہ نگاہ سے اس کے پھیلاؤ کی صورت پیدا ہو سکے۔

اس مقصد کو پیش نظر رکھکر یہ مختصر کتاب لکھی گئی ہے، انشاء اللہ، اس کتاب سے کسی حد تک یہ اندازہ ہو سکے گا کہ انسانی نفس کی ساری کارستانیاں باطن سے متعلق ہیں، اور انسان اندر میں جتنی وسعت وگہرائی کا حامل ہے، اس کی ظاہری شخصیت اس کا عشر وعشیر بھی نہیں۔ چونکہ باطنی بگاڑ اور نفس کی شرارتوں کا ادراک ہونا اور ادراک کے بعد ان خرابیوں سے بچنے کے لئے کوشاں ہونا، دین ودنیا کی جملہ سعادتوں کے لئے ناگزیر ہے، اس کے بغیر دنیا میں فتنہ وفساد سے بچنا اور آخرت میں اللہ کے عتاب سے نجات کی صورت کا پیدا ہونا دشوار ہے، اس لئے حب جاہ وحب مال، خود نمائی اور حسد جیسی باطنی بُرائیوں کے سلسلہ میں معلومات کا حاصل ہونا اور اس معلومات کو دوسروں تک پہنچانا ضروری بھی ہے۔

راقم الحروف نے اپنی بساط کے مطابق مختصر صفحات میں کسی حد تک اس ضرورت کو پورا کرنے کی کاوش کی ہے۔ اگرچہ موضوع وسیع ہے اور اس پر ہمہ پہلو بحث کرکے سارے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، لیکن طوالت سے بچنے کی خاطر یہ اختصار کیا گیا ہے۔

قرآن نے ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے۔

وذروظاهر الاسم وباطنه (اور بچو ظاہری گناہوں سے بھی تو باطنی گناہوں سے بھی)۔

حدیث شریف میں قلب کے مفتی کی فتویٰ کو فیصلہ کن اہمیت دی گئی ہے۔ **استفت قلبک** (اپنے قلب کے مفتی سے فتویٰ پوچھا کرو) امام غزالی کا کہنا ہے کہ جو شخص باطنی علم کے اجزاء سے محروم ہے، مجھے اس کے ایمان باالخیر کے خاتمہ کے بارے

1

میں شک ہے۔

یہ باطنی علم دراصل باطنی گناہوں سے بچاؤ کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، جب یہ باطنی علم حاصل ہونے لگتا ہے تو فرد، نفس کی قوتوں کے خلاف اس وقت تک تیزی کے ساتھ متحرک، مستعد اور صف آرا ہونے لگتا ہے، جب تک نفسی قوتوں سے بڑی حد تک جان خلاصی کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور نفس مہذب ہو کر نفس مطمئنہ کے مقام تک رسائی حاصل نہیں کرتا، نفس مطمئنہ کا حامل نفس وہ ہوتا ہے، جو اللہ سے قربت کے مقام پر فائز ہوتا ہے، اسی نفس کے حامل افراد کے بارے میں شیطان نے کہا ہے (میں سب کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا بس نہ چل سکے گا)۔

قرآن واحادیث میں حکمت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے **وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا** (جسے حکمت عطا کی گئی، اسے خیر کثیر دیا گیا) حدیث شریف ہے کہ جس شخص کو کم گوئی اور دنیا سے بے نیازی کی حالت میں دیکھو، اس کی صحبت اختیار کرو، اس لئے کہ اسے حکمت عطا کی جاتی ہے۔ لغت میں حکمت کے معنی باطنی بصیرت کے ہے۔

حکمت دراصل قلب کی اس خاص استعداد کی حالت کا نام ہے، جہاں قلب، اللہ کی عبادت واطاعت کے لئے خاص ہوجاتا ہے اور ماسویٰ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ قلب کی یہ استعداد باطنی مفاسد سے بڑی حد تک بچاؤ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو باطنی گناہوں کا ادراک ہونا، اور ان بتوں کے توڑ پھوڑ کے کام کو اہم سمجھنا ناگزیر ہے، تاکہ باطنی صلاحیتیں اجاگر ہوسکیں اور دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے اپنے کردار کی ادائیگی کی بہتر صورت پیدا ہو سکے۔

موجودہ دور میں بالخصوص ہمارے اداروں، جماعتوں اور تنظیموں (جس میں دینی، مذہبی، سیاسی اور رفاہی ادارے اور تنظیمیں سب شامل ہیں) کی حالت بڑی خستہ ہے، یہ ادارے بالعموم مفادات کے ٹکراؤ اور اناؤں کے بتوں کے تصادم میں مبتلا ہیں، کاش کہ یہ کتاب ان اداروں تک پہنچنے کی صورت پیدا ہو سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو باطنی بُرائیوں سے بچا لے اور بہتر مسلمان کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

حیدرآباد سندھ — **محمد موسیٰ بھٹو**

۶ جون ۲۰۱۳ء

نفسی قوتیں

قرآن وحدیث کی روشنی میں

دنیا میں موجود فساد کے بارے میں تجزیہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اس سارے فساد میں نفس کی کارستانی شامل ہے، انسانی نفس کی تخلیق کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ وہ مادہ کی پیداوار ہے اور مادہ پر ہی ٹوٹ پڑنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ نفس کی کارستانیوں اور اس کے مکر وفریب سے بچکر، روح کو اس کی حقیقی غذا دینا اور انسانی شخصیت کو اپنے خالق ومالک کا مطیع وفرمانبردار بنا کر سعادت دائرین حاصل کرنا، یہی وہ مقصد ہے، جس کے لئے انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جارہا ہے **اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَى أَن تَزَكَّى** (فرعون کی طرف جاؤ، وہ سرکش ہوگیا ہے، اسے کہو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا تزکیہ ہو۔ یعنی نفس میں موجود گندگی کی صفائی ہو اور نفس کی تہذیب ہو)۔

قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے مقاصد میں تزکیہ نفس کا عمل شامل ہے۔ **یزکیھم** (وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس کی قوت دے کر، اسے بہت بڑی آزمائش میں مبتلا کیا ہے، دنیا میں نفس کی قوت سے بڑھکر کوئی قوت ایسی نہیں ہے (جسے مفتوح کرنے اور مہذب بنانے کا کام سب سے زیادہ دشوار تر کام ہو، نفس اکثر حالتوں میں خداوندی کے مقام پر فائز ہوکر، اللہ کے مقابل کھڑا ہوجاتا ہے۔ نفس کی اس قوت کا ادراک ہونا ضروری ہے۔

نفسی قوتوں کے عدم ادراک کی وجہ سے عام طور پر چھوٹے چھوٹے کاموں کو دین کے بنیادی کام سمجھکر، اپنی قوتیں اور صلاحیتیں صرف ہوجاتی ہیں، چونکہ تہذیب نفس کے بغیر باطن روشن نہیں ہوتا، بلکہ وہ یا تو تاریک ہوتا ہے یا تاریکی اثرات

کا حامل ہوتا ہے، اس لئے اس نفس کی قوت کی موجودگی میں دین کے نام پر ہونے والے کام یا تو شہرت وریا کی صورت اختیار کر جاتے ہیں یا پھر وہ امت کے دوسرے افراد یا طبقات کے خلاف صف آرائی کی صورت میں بدل جاتے ہیں۔

یہ بہت تشویشناک صورتحال ہے، جس میں امت کی اکثریت مبتلا ہے۔

نفس پرستی کی قوتوں کے بارے میں قرآن وسنت کے انتباہات بڑی اہمیت رکھتے ہیں، یہاں ذیل میں قرآن کی کچھ آیات اور کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ. (ص آیت ۲۶) خواہش کی پیروی نہ کرنا، وہ تمہیں سیدھے راستہ سے بھٹکادے گی اور جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب (تیار) ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلاً أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلا. (الفرقان آیت ۴۳.۴۴)

(کیا تم نے اس شخص کو دیکھا، جس نے خواہش کو معبود (خدا) بنا رکھا ہے تو کیا تم اس کے نگہبان ہو سکتے ہیں۔ یاتم یہ سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے)۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَة. (الجاثیہ آیت ۲۳)

(کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔ علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہ کیا ہے اس کے کانوں اور اس کی دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے)۔

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللّه.

(اوراگرتم ان لوگوں کی اکثریت کے راستے پر چلوگے جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکادیں گے)۔

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْب. (الاعراف آیت ۱۷۶)

(پس اس نے خواہش کی پیروی کی اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی۔)

فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ. (القصص آیت ۵۰)

پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے)۔

وَإِنَّ كَثِيراً لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ. (الانعام آیت ۱۰۹)

(اور بہت سے لوگ بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم بَعْدَ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ وَاقٍ. (الرعد آیت ۳۷)

(اور اگر آپ ان کی نفسانی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ سے مقابلہ میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا نہ کوئی بچانے والا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت نفس کے خلاف کام کرنے سے ملے گی اور دوزخ میں لوگ اپنے بُرے کاموں کی وجہ سے جائیں گے۔

صحابہ کرام جب میدان جنگ سے واپس ہو رہے تھے تو آپ نے فرمایا، تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف جارہے ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا، مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نفس سے جہاد کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا سب سے بڑا دشمن نفس ہے، جو تیرے پہلوؤں کے درمیاں ہے۔

فرمایا بڑا سمجھدار شخص وہ ہے، جس نے اپنے نفس کو مطیع بنا لیا اور سخت احمق وہ شخص ہے، جو خود اپنے نفس وخواہش کا مطیع بن گیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے انعامات کی توقع رکھنے لگا۔

فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے نفس کے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے۔

فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے نفس میں ایک نصیحت کرنے والا مقرر کردیتا ہے اور اس کے دل میں ایک روکنے والا پیدا کردیتا ہے جو اسے حکم دیتے ہیں اور منع کرتے ہیں۔

فرمایا: مہاجر وہ ہے جو بُرے کاموں کو چھوڑ دے۔ اور (اصل) مجاہد وہ ہے، جو اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد کرے۔

نفس اور نفسی قوتوں کے انتباہ کے سلسلہ میں یہ قرآنی آیات اور احادیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ یہاں مولانا رومی کے بیان کردہ اس نکتے کو دہرانا ضروری ہے کہ ہر شخص فرعون بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ البتہ وسائل وذرائع نہ ہونے کی وجہ سے وہ سرد ہوجاتا ہے۔

4

کبر اور بڑے پن کا بت
اور اس کی ہلاکت خیزیاں

انسان کی آزمائش کی خاطر اس کی داخلی شخصیت میں جو بڑے بت نصب کئے گئے ہیں۔ ان میں کبر، بڑا پن، انانیت اور شیخی کا بت سب سے بڑا اور مستحکم بت ہے، جس کی ہم میں سے تقریبا ہر شخص کسی نہ کسی طرح پرستش کرتا رہتا ہے۔ معاشرے میں موجودہ فساد کی تہہ میں یہ بت سب سے زیادہ کارفرما ہے۔

انسان کی پیدائش کے بعد کائنات میں سب سے پہلا گناہ اور سب سے بڑا گناہ، جو صادر ہوا، وہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ نہ کرنے اور اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل سمجھنے کا شیطان کا گناہ تھا، جس کی وجہ سے عزازیل ملعون ہوا اور وہ اللہ کی بے پناہ مخلوقات کی گمراہی کا باعث بھی بنا۔

مغرب کے فلاسفر کا فوقیت کا نظریہ

مغرب کے فلاسفر اور ماہر نفسیات ایڈلر کا کہنا ہے کہ انسان کی شخصیت میں سب سے زیادہ طاقتور نصب العینی داعیہ (تقاضا) جو موجود ہے، جو اس کی ساری سرگرمیوں پر حاوی ہے اور جو اسے پوری طرح متحرک رکھتا ہے اور سب کے ساتھ حالت تصادم میں رکھتا ہے، وہ فوقیت اور بالاتری وبالادستی کا تقاضا ہے۔ یہی وہ نصب العینی جذبہ ہے، جس کے تحت فرد ہر شعبہ زندگی میں دوسرے افراد کے ساتھ برسرپیکار ہے۔ مغرب میں انسان کو شعوری طور پر ایک دوسرے کے ساتھ حالت جنگ میں رکھنے، معاشی طور پر دوسروں کو کچل کر، ہر صورت میں آگے بڑھنے اور انسان کو ترقی یافتہ معاشی حیوان سمجھنے کے میلانات و رجحانات میں ایڈلر کے اس نظریہ کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے۔ ہماری نظر میں ایڈلر کے اس نظریہ میں بعض بنیادی خامیاں موجود ہیں، تاہم اس میں صداقت کے اجزاء بھی موجود ہیں کہ اگر انسان میں موجود روحانی قوتوں کو پرواں چڑھانے کی

کاوشیں بالکل ترک کردی جائیں تو پھر انسانی زندگی کا مقصد یہی رہتا ہے کہ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی جدوجہد میں اپنی ساری توانائیاں خرچ کی جائیں۔ جس طرح درندے ایک دوسرے سے لڑکر تھک جاتے ہیں اور اس کے باوجود ان کی خون آشامی میں کمی واقع نہیں ہوتی، یہی حالت انسان کی اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے روحانی وملکوتی وجود اور اپنے جوہری قوتوں کے انکار کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

ملکوں وقوموں کی سطح پر بڑے پن کا منظر

اس وقت انسانیت عالمی سطح سے لے کر قوموں اور ملکوں کی سطح پر جو منظر پیش کررہی ہے، وہ یہی ہے کہ دوسروں کی بربادی کی قیمت پر امارت وسرداری حاصل ہو، اللہ کی مخلوق کو ہر صورت میں پامال کرکے بڑا بنا جائے، اللہ عام کی مخلوق سے سارے وسائل چھین کرکے ہمارے ہاتھوں میں مرتکز ہوں، لوگ ہر طرح سے ہمارے محتاج ہوں، ان کے خون پسینے کی محنت سے ملکوں وقوموں پر ہماری بالاتری وبالادستی قائم ہو۔

شیطان کے چیلنج کی نوعیت

شیطان نے اللہ کو چیلنج دیا تھا کہ تونے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں سب کو اغویٰ کروں گا، سب کو گمراہ کروں گا۔ سوائے ان کے جو تیرے منتخب بندے ہیں۔ شیطان کے اس دعویٰ کا مقصد یہی تھا کہ میں ان کے اندر انانیت کے بت کو مستحکم کرکے، انہیں دعویٰ وتکبر کی راہ پر گامزن کروں گا۔

چونکہ یہ عارضی زندگی امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے شیطان کو بھی بڑی حد تک آزادی حاصل ہے تو انسان بھی باطن میں موجود حیوانی اور مادی جذبات کے عملی مظاہرہ میں بڑی حد تک آزاد ہے، اس آزادی سے استفادہ کرکے، شیطان اور شیطان نما انسانوں نے انسانی زندگی کو فساد سے بھر دیا ہے۔ اس فساد کا مرکزی نکتہ حب جاہ وحب ریاست وقیادت وسیادت اور ہر طرح کے وسائل سے مالامال ہو کر دوسروں پر اپنی سیادت کو مسلط کرنا ہے۔

بڑے پن کی کچھ علامتیں

حب جاہ اور بڑے پن کی کچھ علامتیں یہ ہیں۔

اللہ کی عبادت اور بندگی سے اعتقادی یا عملی طور پر انکار کی روش کا ہونا، اللہ کی مخلوق کو حقیر سمجھنے کی نفسیات کا غلبہ اور اس کے لئے کاوشوں کا ہونا، حقیر سمجھنے کی یہ کاوشیں اقتدار کی راہ سے ہوں یا افسری اور دولت ومالداری کی راہ سے، مذہبی راستہ سے ہوں یا روحانیت کی راہ سے، جہاں بھی قیادت وسیادت اور امارت حاصل ہو، وہاں اس نفسیات سے کام لینا، اگر قیادت وسیادت حاصل نہ بھی ہو تو اس کے حصول کے لئے کوششیں کرنا اور گری پڑی حالت میں ہونے کے باوجود اس آرزو اور تمنا میں رہنا کہ کبھی تو وہ موقع میسر ہوگا، جب حب جاہ کے جذبات کو مہمیز دینے کی صورت پیدا ہوگی، دوستوں، ساتھیوں، جماعتی افراد اور گھر والوں پر اپنے بڑے ہونے کے تاثر کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہونا، بہتر سے بہتر معاملات میں بھی دوسروں کی طرف سے ہونے والے اختلاف رائے کو دشمنی پر محمول کرنا اور اختلاف کرنے والوں سے تعلقات کشیدہ کرنا یا انہیں نقصان پہنچانے کے لئے متحرک ہونا، گفتگو اور بحث ومباحثہ میں دوسروں کو زیر کرنے کی کاوشوں کا ہونا، بظاہر علم دین اور روحانیت کے حامل ہونے کے باوجود انا کو ٹھیس پہونچنے پر مشتعل ہونا، حیثیت سے زیادہ تکلفات کا اہتمام کرنا، بالخصوص مکان کی آرائش وزیبائش اور گاڑی کی سجاوٹ وغیرہ کا خصوصی انتظام ہونا، شخصی، جماعتی اور قومیتی حجابات کی وجہ سے حق بات سننے سے ناراضگیٔ خاطر کا ہونا، جماعتی اور قومیتی برتری کے احساسات کے غلبہ کا ہونا، اپنی مجلسوں اور محفلوں میں بڑے پن کے جذبات کی تسکین کی خاطر اپنی معاصر شخصیتوں کی خامیوں اور کوتاہیوں کو نمایاں اور اجاگر کرنے کی کاوشوں کا ہونا، اپنے حلقہ احباب اور اپنے معتقدوں میں اپنی علمیت، اپنی بزرگی اور اپنی ذہانت کے تاثر کو مستحکم کرنے کے لئے براہ راست یا بالواسطہ طور پر کاوشوں کا ہونا، دوسروں کو مکالمہ یا بحث ومباحثہ میں شکست دینے کے جذبہ کا ہونا غرض کہ یہ اور اس طرح کی کئی چیزیں بڑے پن کی علامتیں شمار ہوتی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ جس دل میں تکبر موجود ہوگا، اس دل میں اللہ کی عظمت، اس کی معرفت، اس کے انوار حسن کی شعائیں اور حقیقی اور معنوی حسن کے اجزا سما سکیں، ممکن نہیں۔

کائنات میں پہلا گناہ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ کائنات میں پہلا اور سب سے بڑا گناہ تکبر کی وجہ سے ہوا تھا، وہ شیطان کا تکبر تھا، جس نے عزازیل کو مردود ٹھہرا کر، انسانیت کی گمراہی کا موجب بنایا اور عزازیل کا علم اور اس کی عبادت بھی اس کے کام نہ آئی، اس لئے کہ تکبر کی نفسیات میں جینے والا فرد اپنی شخصیت کی بڑائی سے دستبردار ہو کر چھوٹے پن اور عاجزی کی راہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

شیطان نے کہا تھا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلآئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيناً قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلاً. (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہیں کیا، اس نے کہا، کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اس نے کہا، دیکھئے تو سہی، یہ ہے وہ شخص، جس کو تو نے مجھ پر عزت دی ہے، اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی ساری اولاد کو ہلاک کردوں گا۔

شیطان کا انسان کے سامنے جھکنے سے انکار

آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو اللہ کی اطاعت سے انکار نہیں تھا، بلکہ اپنے سے کم تر فرد کے سامنے جھکنے پر اعتراض تھا، چونکہ شیطان اپنی بڑائی اور عظمت کی نفسیات میں جی رہا تھا، اس لئے وہ آدم کو سجدہ کرکے، دوسرے کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس حکم نے اس کی انا کو اتنا مشتعل کر دیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اولاد آدم کو ہلاک کرنے کا چیلنج دیدیا، اس آیت کی تفسیر میں

ایک مفسر لکھتے ہیں:

فرشتوں اور ابلیس کا قصہ بتاتا ہے کہ ماننے والے کیسے ہوتے ہیں اور نہ ماننے والے کیسے۔ ماننے والے لوگ حق کو حق کے لحاظ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ اس کو سمجھنے میں انہیں دیر نہیں لگتی، وہ فورا اس کو سمجھ کر مان لیتے ہیں جیسا کہ آدم کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کیا، دوسرے لوگ وہ ہیں، جو حق کو اپنی ذات کی نسبت سے دیکھتے ہیں۔ شیطان نے یہی کیا، اس نے حق کو اپنی ذات کی نسبت سے دیکھا، چونکہ سجدہ کا حکم آدم کو بظاہر بڑا بنا رہا تھا اور اس کو چھوٹا، اس لئے اس نے ایسے حق کو ماننے سے انکار کردیا، جس کو ماننے کے بعد اس کی اپنی ذات چھوٹی ہوجائے۔ شیطان نے اللہ کو جو چیلنج دیا تھا، اس کو سامنے رکھکر دیکھئے تو ہر وہ شخص شیطان کا شکار نظر آئے گا، جو حق کو اس لئے نظر انداز کردے کہ اس کو ماننے کی صورت میں اس کی اپنی ذات دوسرے کے مقابلہ میں چھوٹی ہوجائے گی۔''

قرآن واحادیث میں تکبر کے سلسلہ جو انتباہات دیئے گئے ہیں، وہ سخت انتباہات ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں۔

اہل کتاب کے انکار میں تکبر کا کردار

قرآن میں اہل کتاب کی طرف سے حق سے انکار کا بنیادی سبب تکبر بتایا گیا ہے۔ اس تکبر کی وجہ سے انہوں نے انبیاء کرام کو تکالیف دیں، بعض کو شہید تک کیا۔

أَفَكُلَّمَا جَاءكُمْ رَسُولٌ بِمَا لاَ تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ. (البقرہ آیت۸۷)

کیا (ایسا نہیں ہے کہ) جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا تو تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا۔ بعضوں کو تو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

فرعون واہل فرعون کے انکار کی نوعیت

قرآن کی نظر میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور ان کے سرداروں کے پاس حق کا پیغام لے

کر آئے تو قرآن نے متعدد بار وضاحت کی ہے کہ اس حق کو تسلیم نہ کرنے کا سبب تکبر ہی تھا، حالانکہ اللہ کی نشانیوں سے ان کا دل یقین کر چکا تھا، لیکن بڑے پن کی بیماری نے انہیں سرکشی کی راہ پر گامزن رکھا۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّاً. (النمل آیت ۱۴) اور انہوں نے (یعنی فرعونیوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اس کا (یعنی حق کا) انکار کیا حالانکہ ان کے دل اسے مان چکے تھے۔

دوسری جگہ ہے۔

وَلَقَدْ جَاءهُم مُّوسَى بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ . (العنکبوت آیت ۳۹) اور ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ زمین میں تکبر کرنے لگے۔

ایک تیسری جگہ ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُواْ وَكَانُواْ قَوْماً مُّجْرِمِينَ . (یونس آیت۷۵ اور اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا، وہ گنہگار لوگ تھے)۔

قوم عاد کے انکار میں تکبر کا کردار

قوم عاد کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُواْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْاْ رُسُلَهُ وَاتَّبَعُواْ أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ. (ھود آیت ۵۹) اور یہ (وہی) عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا، اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر سرکش کا کہا مانا۔

اہل تکبر کا ٹھکانہ

قرآن نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے خاص ہوگا جو دنیا میں بڑا بن کر فساد کرنے سے پاک ہوں گے، جو اللہ کے عاجز

بندہ بن کر رہنے کے خوگر ہوں گے جو جذبات عبدیت سے سرشار ہوں گے۔

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُونَ عُلُوّاً فِيْ الْأَرْضِ وَلَا فَسَاداً.

(آخرت کا یہ گھر ہم نے انہی لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو دنیا میں نہ تو بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔)

قرآن نے جہنم کی وعید انہی لوگوں کو سنائی ہے، جو تکبر کرتے ہیں اور تکبر کی نفسیات میں جیتے ہیں اور جن کا اللہ کی مخلوق کے ساتھ متکبرانہ نوعیت کا رویہ ہے۔ جو شب وروز اللہ کی واضح نشانیوں کے باوجود راہ حق پر آنے کے لئے تیار نہیں۔

أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ . (الزمر آیت ۶۰) کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ . (الزمر آیت ۷۲)

پس متکبروں کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (غافر آیت ۶۰) (بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل کرکے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔)

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُونَ فِيْ الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْاْ كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُواْ بِهَا. (الاعراف آیت ۱۴۶)

(جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں۔)

اس آیت میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ تکبر کی یہ خاصیت ہے کہ اللہ کی ساری نشانیاں دیکھنے اور حق کے واضح ہوجانے کے باوجود ضد اور انکار کی روش اتنی مضبوط ہوجاتی ہے کہ فرد اللہ کی شان عظمت کے دائرے میں داخل نہیں ہو پاتا۔ ایسے افراد پر اللہ کا یہ قانون لاگو ہوجاتا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود انکار کی روش پر گامزن ہوں۔ یہ بڑی سخت سزا ہے، جو تکبر اور بڑے پن کے مظاہرہ کی وجہ سے ملتی ہے۔

تکبر

احادیث کی روشنی میں

اب تکبر کے بارے میں کچھ احادیث اور واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

حدیث قدسی ہے کہ جو شخص مجھ سے عظمت اور تکبر میں جھگڑا کرے گا، میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

دوسری حدیث ہے جس میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا، وہ جنت میں نہ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں (۱) تنہائی میں اور سب کے سامنے اللہ سے ڈرنا، (۲) خوشی وناراضگی میں حق بات کہنا (۳) امیری اور غریبی میں میانہ روی اختیار کرنا، اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

(۱) وہ خواہش جس کی اتباع کی گئی (۲) وہ بخل جس کی اتباع کی گئی۔ (۳) فرد کا اپنے آپ کو اچھا (سمجھا اور) کہنا۔

حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ دونوں نے حضورﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری عزت میری نیچے کی چادر ہے، اور کبریائی میری اوپر کی چادر ہے، جو شخص ان دونوں چادروں میں کھینچا تانی کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔ (مسلم شریف کی حدیث قدسی)

جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی تو اللہ اسے بلند کرے گا اور جس نے تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔

ابلیس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخواست

ایک روایت ہے کہ ابلیس، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا، اور کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے لئے برگزیدہ فرمایا ہے اور ہم کلامی کی سعادت عطا فرمائی ہے، میں بھی اللہ کی مخلوق میں شامل ہوں، مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا تھا، اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی، اللہ نے فرمایا کہ شیطان سے کہو کہ وہ آدم علیہ

السلام کی قبر کو سجدہ کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان سے یہ بات کہی، جس پر وہ طیش میں آ کر کہنے لگا کہ جب میں نے اسے زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو مرنے کے بعد کیسے کروں گا۔ (تلبیس ابلیس صفحہ۶۵ علامہ ابن جوزی)

حضرت عبدالرحمٰن بن زیاد سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مجلس میں تشریف فرما تھے تو شیطان آیا ان کے سر پر کلہ دار ٹوپی تھی۔ جس میں مختلف قسم کے رنگ تھے۔ اس نے ٹوپی اتار کر رکھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلام کیا، آپ نے دریافت کیا، تم کون ہو، اس نے کہا شیطان، آپ نے کہا، اللہ تجھے زندہ نہ رکھے، تو کیوں آیا ہے، اس نے کہا کہ میں آپ کو سلام کرنے آیا تھا کہ اللہ کی نظر میں آپ کی منزلت بہت زیادہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس ٹوپی میں کیا ہے جو تو نے پہنی ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے آدم علیہ السلام کی اولاد کو فریب دیتا ہوں۔

آپ نے پوچھا، یہ تو بتاؤ کہ وہ کون سا کام ہے، جس پر تو انسان پر غالب آ جاتا ہے۔ اس نے کہا، جب فرد اپنے آپ کو بڑا اور بہتر سمجھنے لگتا ہے، اور اپنے عمل کو بہت کچھ خیال کرتا ہے اور اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت میں اس پر مسلط ہوجاتا ہوں۔ (تلبیس ابلیس صفحہ۶۶)

اہل یہود کے تکبر کے واقعات

اہل یہود جو رسالتماب ﷺ کی بعثت کے انتظار میں دن کاٹ رہے تھے، اور جنہیں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں وہ ساری نشانیاں نظر آ گئی تھی، جو ان کی کتابوں میں شامل تھیں، ان کی بڑی اکثریت نے تکبر اور حسد کی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالفت کی، جس کی قرآن واحادیث نے نشاندہی کی ہے۔

اہل یہود کا یہ کردار ایسا ہے، جو ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ حق کا پیام یا حق وصداقت کی باتیں جب ہمارے شخصی مفادات، ہماری شخصیت کی توقیر اور عزت

وشہرت اور انانیت سے ٹکرانے لگتی ہیں تو اس وقت نفس کی قوتیں مشتعل ہو کر، ہمیں حق کے خلاف فیصلہ کرنے اور ہماری قوتوں کا پلڑا غیرحق میں ڈالنے پر ہمیں مجبور کردیتی ہیں۔

اس توضیح کے بعد امام ابن جوزی کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' سے اہل یہود کے تکبر کے دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

اہل یہود کا قصہ
تلبیس ابلیس

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ایک روز یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ فرمایا کہ تم میں جو سب سے بڑا عالم ہو، میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، عبداللہ بن سوریا سامنے آ گئے۔ آپ اسے تنہائی میں لے گئے اور آپ نے اسے دین کی قسم دلائی اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد دلایا، جو اہل یہود پر من وسلویٰ کی صورت میں ان پر انعام کیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا، آپ نے ان سے کہا کہ تم صحیح صحیح بتاؤ کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابن سوریا نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہوں اور میری قوم کے افراد بھی۔ بے شک آپ کی صفت وتعریف توریت میں صاف صاف مذکور ہے۔ لیکن ہماری قوم کے لوگ (تکبر اور) حسد کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، آپ نے فرمایا، تمہارے ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے، اس نے کہا کہ مجھے اپنی قوم کی مخالفت گوارا نہیں، امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ کے تابع ہوں گے اور اسلام لائیں گے، اس وقت میں بھی مسلماں ہوجاؤں گا۔''

مسلمہ بن سلامہ بن وقش سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے نبی عبدالشہل کے محلّہ میں یہودی رہتا تھا، ایک دن وہ یہودی بنی عبدالشہل کی مجلس میں آیا، سلمہ نے کہا کہ اس مجلس میں شریک ہونے والوں میں میں سب سے چھوٹا تھا اور میں چادر لپیٹے گھر کے صحن میں بیٹھا تھا، پس اس یہودی نے موت کے بعد اٹھائے جانے اور میزان

وجنت ودوزخ کا ذکر کیا، اس وقت یہ قوم موت کے بعد کی زندگی کی قائل نہ تھی۔ تو لوگوں نے کہا کہ کیا تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ موت کے بعد لوگ زندہ حالت میں اٹھائے جائیں گے اور ایسی دنیا میں جہاں جنت و دوزخ ہے، وہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق بدلہ دیئے جائیں گے، اس یہودی نے کہا کہ ہاں! اور قسم ہے کہ جہنمی اس دن آرزو کرے گا کہ کاش وہ ایک لمحہ کے لئے ، اس جہنم کی آگ سے نکال کر بہت بڑے تنور میں ہی ڈالا جائے، لوگوں نے اس یہود سے کہا کہ تم جو بات کہتے ہو، اس کی دلیل کیا ہے، اس نے کہا کہ اس علاقہ میں اللہ کے آخری رسول ظاہر ہوں گے، وہ اس واقعہ کی تصدیق کرے گا۔ لوگوں نے کہا کہ تمہاری نظر میں وہ رسول کب تک مبعوث ہوگا۔ یہودی نے سارے مجمع پر نظر دوڑا کر کہا کہ جب یہ لڑکا بالغ ہوگا، اس وقت تک اللہ کا وہ رسول مبعوث ہو چکا ہوگا، (یا یہ کہا کہ یہ لڑکا اپنی عمر میں اللہ کے رسول کو دیکھ لے گا) اور اس کا زمانہ پائے گا۔ سلمہؓ نے کہا، واللہ، کچھ دن ہی گزرنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، وہ یہودی ابھی تک ہمارے محلّہ میں موجود تھا، ہم تو اللہ کے رسول پر ایمان لائے، لیکن وہ یہودی تکبر اور حسد کی وجہ سے منکر ہوا، ہم نے اسے یاد بھی دلایا، لیکن اس پر ضد اور اور انکار غالب رہا۔ (تلبیس ابلیس صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸)

امت کے زوال میں
تکبر اور بڑے پن کی نفسیات کا عمل دخل

امت میں پیدا ہونے والے فتنوں کے اسباب کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ایک بڑا سبب تکبر اور بڑے پن کی نفسیات رہی ہے، جس نے گروہوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر امت کو مضمحل کیا ہے، اس سلسلہ میں ہم یہاں مثال کے طور پر ایک گروہ کا تفصیل سے ذکر کریں گے، جو عبادت اور شریعت کی ظاہری پابندی کے اعتبار سے شہرت کا حامل رہا ہے۔ لیکن جس کی ساری توانائیاں، اہل اسلام کی تکفیر اور ان کے خلاف صف آرائی میں صرف ہوئی ہیں۔ یہ خارجیوں کا گروہ ہے۔

جواب بھی معاشرہ میں دوسرے ناموں سے موجود ہے، جو اپنے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی تکفیر کے کاموں میں مصروف ہے۔

خارجیوں کے تباہ کن کردار میں تکبر کا کردار

خارجیوں کا آغاز ذالخویصرہ تمیمی کے نام سے ایک شخص سے ہوا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضور کریم ﷺ نے ایک بار مال غنیمت تقسیم فرمایا تو یہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ انصاف سے کام لیں۔ آپ نے فرمایا، کیا میں تقویٰ کے اعتبار سے تم سب سے بڑھ کر نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارا بُرا ہو، اگر میں بھی انصاف نہ کروں گا تو اور کون ہے جو انصاف کرے گا، اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم آگاہ ہوجاؤ کہ اس شخص کے گروہ میں سے ایک گروہ ظاہر ہوگا، وہ قرآن پڑھے گا، لیکن قرآن اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

خارجیوں کے ظہور کا وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی لڑائی کے دوران ہوا، ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں لوگوں کو حاکم بنانا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''ان الحکم الا اللہ'' اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں، یہ لوگ اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے منظّم ہوئے، ان کی تعداد ۱۲ ہزار تھی، حضرت ابن عباس، امیر المومنین حضرت علیؓ کی اجازت سے جب ان سے گفتگو کے لئے ان کے خیمے میں تشریف لے گئے تو ان کا بیان ہے کہ میں نے خارجیوں کی شکل میں ایک ایسی قوم دیکھی، جس سے بڑھ کر عبادت کرنے والی قوم میں نے نہیں دیکھی تھی، ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے، ان کے ہاتھ گویا اونٹ کے ہاتھ تھے (جو زمیں پر ٹیکنے کی وجہ سے غبار آلود ہوجاتے تھے) ان کے بدن پر معمولی قمیصیں تھی، ان کی شلواریں یا (تہبند) ٹخنوں سے بہت اونچی تھی۔ زیادہ شب بیداری یعنی رات کی عبادت کے لئے زیادہ جاگنے کی وجہ سے ان کے چہرے خشک ہوگئے تھے۔

اس سلسلہ میں روایات کی کتابوں میں حضرت ابن عباس کا ایک تفصیلی بیان آتا ہے، وہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے ان سے کہا، میں تمہارے پاس انصار اور مہاجروں کی طرف سے آیا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے داماد کی طرف سے آیا ہوں، جن پر قرآن اترا ہے اور یہ قرآن کے معنی تم سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کا کہنا ہے کہ میری بات سن کر، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ چونکہ یہ شخص قریش میں سے ہے، اس لئے تم قریش سے مناظرہ نہ کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے بارے میں فرمایا ہے کہ **بلھم قوم خصمون**'' یعنی یہ جھگڑالو (اور حجت باز) قوم ہے۔ ان میں سے دو تین آدمیوں نے کہا کہ ہم ان سے مباحثہ کریں گے، اس پر میں نے ان سے کہا کہ، رسول اللہ ﷺ کے داماد اور مہاجرین وانصار پر تمہارے جو الزامات واعتراضات ہیں، وہ بیان کرو (حالانکہ قرآن انہی لوگوں پر اترا ہے اور ان میں سے کوئی بھی تم میں شامل نہیں، وہ لوگ قرآن کے معنی و مطلب تم سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں) اس پر خوارج نے اپنے اعتراضات بیان کرنا شروع کردیئے، پہلا یہ کہ حضرت علیؓ نے خدا کے بارے میں لوگوں کو ثالثی بنایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**ان الحکم الا للہ**'' یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس قول کے بعد انسانوں کے حکم کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ دوم یہ کہ حضرت علیؓ نے قتال کیا، لیکن مفتوحین کو نہ تو لونڈی اور غلام بنایا اور نہ ہی ان کے مال کو غنیمت کا مال قرار دیا۔ سوم یہ کہ حضرت علیؓ نے ثالثی کا عہد نامہ لکھواتے وقت اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹوادیا، پس اگر وہ امیر المؤمنین نہیں ہے تو امیر الکافرین یعنی کافروں کے سردار ہیں۔

حضرت ابن عباس نے خوارج کے ان اعتراضات کے جو جوابات دیئے، وہ انہی کی زبانی سنیں: ثالثی کے بارے میں تو خود قرآن مجید میں تاکید فرمائی گئی ہے ''**لاتقتلوا الصید وانتم حرم**'' (آخر تک) یعنی احرام کی حالت میں شکار کے قتل کی ممانعت فرمائی گئی، اگر کسی نے گناہ کیا مثلاً ایک خرگوش مارا تو فرمایا کہ تم میں سے دو عادل مرد اس موقعہ پر جب جانور مارا گیا ہے، اس کی قیمت کا فیصلہ فرمائیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورت اور شوہر کے بارے میں فیصلہ فرمایا، ''**ان خفتم شقاق**

بینھما،'' یعنی ایک مرد اور دو عورتیں بھیجو، وہ دونوں ان کے معاملے میں حکم فرمائیں۔

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ حضرت علیؓ نے قتال کیا اور قیدی اور مال غنیمت حاصل نہیں کیا تو کیا تم ام المومنین عائشہ کو اپنی مملوکہ لونڈی بناؤ گے، اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''**النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم**'' یعنی مؤمنوں کے حق میں پیغمبر، ان کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہے اور ان کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔

اس طرح حضرت ابن عباس نے ان کے تیسرے اعتراض کا جواب سیرت رسول اللہ ﷺ سے دیا، ان کے اس جواب سے دو ہزار خوارج توبہ کرکے واپس ہوئے، باقی خوارج سے جنگ ہوئی، جس میں ان کی اکثریت گمراہی پر قتل ہوگئی۔ حضرت جندبؓ کا کہنا ہے کہ جب ہم نے حضرت علیؓ کے ساتھ خوارج پر چڑھائی کی اور ان کے خیمے پر پہنچے تو ان کے خیمہ سے قرآن کی آوازیں اس کثرت سے آتی تھیں، جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ثالثی کا فیصلہ قبول کیا تو خوارج کے سردار حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ ''**لاحکم الاللہ**،'' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں ''**لاحکم الاالله**،'' تو اس پر حرقوص (جو ان میں بڑے تھے) نے کہا کہ اپنے گناہ سے باز آکر توبہ کیجئے، ثالثی نامہ سے رجوع کیجئے، اور ہمیں ساتھ لیکر دشمنوں سے مقابلہ کیجئے، ہم ان سے مقابلہ کریں گے، یہاں تک کہ اللہ کے حضور پہنچ جائیں۔ اگر آپ ثالثی نامہ پر اصرار کریں گے تو پھر ہم خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے آپ سے قتال کریں گے۔ حضرت علیؓ سے اس گفتگو کے بعد خوارج، عبداللہ بن وہب کے گھر جمع ہوئے، وہاں ان کے مذکر وہ لیڈر نے تقریر کی، حمد وثنا کے بعد کہا، جو قوم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور حکم قرآن پر عامل ہو، اس کے لئے یہ زیب نہیں کہ وہ دنیا کی خاطر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہمیں حق کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے نکلنا چاہئے۔

خارجیوں کے بہت سارے واقعات مشہور ہیں۔ ایک روز خوارج جارہے تھے، تو

سرراہ عبداللہ بن خباب سے ان کی ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت عبداللہ کو گرفتار کیا اور کہا کہ تم نے اگر اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی ہو تو بتاؤ، حضرت عبداللہ نے کہا، میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے ایک ایسے فتنہ عظیم کے برپا ہونے کا ذکر فرمایا، جس میں بیٹھ جانے (یعنی کنارہ کشی اختیار کرنے والا کھڑے ہونے والے) سے بہتر ہوگا، اگر تم اس فتنہ کو دیکھو تو تم مقبول بندوں میں سے ہوجاؤ۔ خوارج نے کہا کہ کیا یہ حدیث تم نے اپنے باپ سے سنی ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا تھا، عبداللہ نے کہا کہ ہاں، تو خوارج نے ان کو نہر کے کنارے کھڑا کرکے، ان کی گردن اڑادی، چنانچہ ان کا خون نہر میں اس طرح گرنے لگا، جیسے جوتے کا تسمہ گرتا ہے، ان کی بیوی حاملہ تھیں، خارجیوں نے ان کا پیٹ پھاڑ دیا، خارجیوں کا یہ گروہ آگے بڑھا، ذمی کے ایک باغ میں قیام پذیر ہوا، باغ کے درخت سے پھل گرا، ایک خارجی نے پھل اپنے منہ میں ڈالا، اس پر دوسرے خارجی نے کہا، حرام، کمبخت، بغیر اجازت کے پھل کھا رہا ہے۔ اس نے فورا پھل منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ خارجیوں کے اس گروہ کو آگے چل کر ذمی نصرانیوں کے سور نظر آئے، ایک شخص نے سور پر تلوار آزمائی، تو دوسرے نے کہا کہ ملک میں فساد برپا کرنا ہے یعنی حرام ہے، اس پر اس نے جاکر سوروں کے مالک کو تلاش کرکے، اس کو راضی کرلیا۔

امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے خوارج کے پاس پیغام بھیجا کہ جس شخص نے عبداللہ بن خباب کو قتل کیا ہے، اس کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کیا جائے، خوارج نے جواب بھیجا کہ ہم سب نے اسے قتل کیا ہے، حضرت امیر المؤمنین نے تین بار ان کے پاس آدمی بھیجا، انہوں نے ہر بار یہی جواب دیا، چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے کے لئے فوج روانہ کی، لڑائی شروع ہوتے وقت خوارج ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے رہے کہ اپنے رب سے ملاقات کے لئے تیار ہوجاؤ اور جنت کے لئے آمادہ ہوجاؤ۔

خارجیوں کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا، بلکہ خارجی اس کے بعد بھی سر اٹھاتے

رہے، حضرت علیؓ کی شہادت بھی خارجیوں کے ہاتھوں سے ہوئی، اس کا قصہ اس طرح ہے، خوارج کے تین سردار عبداللہ بن ملجم، برک بن عبداللہ، عمر بن بکر نے باہم طے کیا اور معاہدہ کیا کہ وہ تینوں علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن عاص کو شہید کریں گے، ابن ملجم نے کہا کہ وہ علیؓ کو قتل کرے گا، اس طرح ابن ملجم نے اس میثاق کو پورا کیا، جب ابن ملجم کو قتل کے لئے قیدخانہ سے نکالا گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ لئے گئے اور لوہے کی گرم سیخ سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی تو اس نے ذرا بھی آہ نہیں کی اور "**اقراء باسم ربک الذی خلق**،" پڑھتا رہا۔ پھر اس کی زبان کاٹنے کا ارادہ کیا گیا تو وہ گھبرانے لگا، جب اس سے پوچھا گیا کہ اب تک صبر سے سب کچھ برداشت کرتا رہا، اس وقت تو گھبرا رہا ہے تو اس نے کہا کہ خدا کے لئے میری زبان نہ کاٹو، اس لئے کہ میں ذکر کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت علیؓ کے قاتل ابن ملجم کے چہرے پر سجدہ کا گہرا نشان تھا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت علیؓ کا قاتل سب سے بدبخت انسان ہوگا۔

خارجیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے، ابوسعید خدریؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں ایک گروہ ظاہر ہوگا، ان کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو ہیچ سمجھوگے، ان کے روزوں کے مقابلے میں تمہیں اپنے روزے ہیچ نظر آئیں گے، ان کے اعمال کے مقابلے میں تم اپنے اعمال کو حقیر سمجھوگے، وہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن ان کا قرآن حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے نشانہ تیر سے نکل جاتا ہے، چنانچہ صحیحین میں حدیث موجود ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ خوارج جہنمیوں کے کتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام حافظ عبدالرحمٰن ابن الجوزی کی کتاب تلبیس ابلیس صفحہ ۱۱۷ سے ۱۲۷ اور علامہ ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب العلم والعلماء (صفحہ ۲۰۱ سے ۲۰۸)۔

مسلم نفسیات کا حاصل

کبر اور بڑے پن کے بارے میں مسلم نفسیات کا تیرہ سو سالہ کا حاصل یہ ہے کہ علم، ذہانت، اقتدار و دولت سے یہ مرض کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتا ہے، اس سے گہرے حجابات پیدا ہوتے ہیں اور ان طبقات سے وابستہ افراد اس مقام پر فائز ہوتے ہیں، جہاں اصلاح کی باتیں کم ہی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علم، ذہانت اور اقتدار ودولت کے ان منفی اثرات کی وجہ سے ان سے دستبرداری اختیار کی جائے، بلکہ اس سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ علم، ذہانت اور دولت واقتدار سے وابستہ افراد کو عام لوگوں کے مقابلہ میں تزکیہ اور اصلاح نفس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور انہیں اس کی زیادہ فکر لاحق ہونی چاہئے۔

کبر

جدید نفسیات کی نظر میں

مسلم نفسیات کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ طبقات کے بارے میں جدید نفسیات کی تحقیق بھی بالکل یہی ہے۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عبدالماجد دریابادی نے ۱۹۱۵ء میں اپنی کتاب ''فلسفہ جذبات'' میں لکھا تھا: درج ذیل طبقات کی اصلاح دشوار تر ہے۔

(۱) صاحبان اقتدار: چونکہ حکمرانوں وافسروں میں لوگوں کو اپنا محکوم وماتحت سمجھنے کی نفسانیت جنم لیتی ہے۔ اس لیے حکمرانی وافسری سے نخوت وتحکماتی کیفیت پیدا ہوتی اور مستحکم ہے۔

(۲) علم وفضل: علم، دانشوری اور خطابت سے اپنی علمی فضیلت اور عظمت کا زعم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس لیے عام طور پر یہ چیز بھی نخوت اور بڑے پن کا ذریعہ بن جاتی ہے اور عجز، انکساری، حقیقت پسندی اور انسانیت کی عام سطح پر آنے کی راہ میں حجاب اکبر بن جاتی ہے۔

(۳) عبادت وزہد: زاہد، عام طور پر عبادت میں ریاضت کو دائمی کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہے، چونکہ اسے اپنی اس کامیابی کا مرکز اپنی ذات میں نظر آنے لگتا ہے، اس لئے اس میں اپنی بزرگی کا تصور راسخ ہونے لگتا ہے۔ اور وہ دوسروں کے مقابلے میں

اپنی شخصیت کو نمایاں اور ممتاز سمجھنے لگتا ہے۔ زہد کا زعم بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کے اندر تکبر کی 'نفسیات' کو پختہ کر دیتا ہے۔''

اپنی علمی صلاحیت کا اظہار تکبر نہیں

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا اپنی علمی صلاحیت اور فنی قابلیت کا اظہار کرنا، یہ بھی تکبر میں شامل ہے۔ مولانا تھانویؒ کا کہنا ہے کہ یہ تکبر میں شامل نہیں۔ اگر اپنی علمی اور فنی صلاحیت کے اظہار کی ضرورت پیش ہو (تاکہ لوگ استفادہ کرسکیں تو) یہ جائز ہے۔ لیکن اسے وظیفہ بنانا صحیح نہیں۔ بلکہ وظیفہ بنانے سے یہ دعویٰ کے ضمن میں آنا شروع ہوجاتا ہے۔

اللہ کی اپنے دوستوں کے بارے میں یہ عجیب ادا ہے کہ اسے ان کی علمی صلاحیت کے سلسلہ میں دعویٰ بھی قبول نہیں۔ اس سلسلہ میں ذیل میں کچھ واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

امام حسن بصریؒ کی حیرت ودر حیرت

امام عبدالوھاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب ''ہم سے عہد لیا گیا ہے'' میں امام حسن بصری کا واقعہ لکھا ہے:

امام حسن بصری کی مجلس، جس میں پانچ سو دواتوں سے ان کے ملفوظات لکھے جارہے تھے، ان کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ علوم منزل من السماء (وہ علوم جو آسمان سے نازل ہوئے ہیں) تم مجھ سے جو کچھ بھی پوچھوگے، میں تمہیں بتادوں گا۔ یہ سن کر مجلس میں شریک ایک نوجوان، جو کمزور، دبلا پتلا لکڑی کا سہارا لے کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کی بات سنی ہے، لیکن میں جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مچھر کے پیٹ میں ایک آنت ہے یا بہت ساری آنتیں، اور اجابت وپیشاب کا راستہ ایک ہے یا جدا جدا ہے، امام حسن، اس سوال کا جواب نہ دے سکے، اور بے ہوش ہوگئے اور بے ہوشی ہی کی حالت میں لوگ ان کو اٹھا کر گھر لے گئے، اور تین دن کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔

امام شعرانی کو دعویٰ کی سزا

امام شعرانیؒ دعویٰ کے سلسلہ میں اپنا بھی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ میں اہل علم میں سے ہوں، یہ خیال آتے ہی ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ فرشتوں میں سب سے زیادہ عمر کس کی ہے، یہ سارے فرشتے ایک ساتھ پیدا ہوئے ہیں یا یکے بعد دیگرے تدریجا پیدا ہوئے ہیں؟ میں حیران رہ گیا کہ کیا جواب دوں؟ اور سمجھ گیا کہ یہ میرے دعویٰ کا غیب سے جواب ہے اور فورا اس خیال سے توبہ کی۔ (صفحہ۱۳۹۔۱۴۰)

اب تکبر کے سلسلہ میں حضرت نظام الدین اولیاء کی کتاب ''فوائد الفوائد'' سے کچھ اہم واقعات وملفوظات پیش کئے جاتے ہیں۔

حسن بصری کا امتحان

''حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ہر شخص کو اپنے سے بہتر تصور کیا ہے، مگر ایک روز ایک شخص کو اپنے سے کم خیال کیا تھا، اس کی سزا مجھے دی گئی، اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز میرا گذر دریا کے کنارے پر ہوا، میں نے ایک حبشی کو دیکھا کہ وہ ایک صراحی اور جام اپنے پاس رکھے ہوئے ایک عورت کو اپنے برابر بٹھائے ہوئے تھا اور اس سے مکالمہ کررہا تھا اور صراحی سے کچھ چیز نکال کر پی رہا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ میں یہ خیال کر رہا تھا کہ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کشتی جس میں سات آدمی سوار ہیں۔بھنور میں آ کر غرق ہونے لگی، اور قریب تھا کہ وہ آدمی ڈوب جائیں، حبشی اس صورتحال کو دیکھ کر فورا دریا میں چھ دفعہ کود کر چھ آدمیوں کو نکال لایا، ساتویں آدمی کے بارے میں اس نے مجھے کہا کہ اے حسن، اس کو تم نکالو، خواجہ حسن فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھ کر میں سخت متحیر ہوگیا کہ وہ ساتویں شخص کو بھی نکال لایا۔ اور کہنے لگا کہ اے حسن، اس صراحی میں شربت ہے اور یہ عورت میری والدہ ہے، تیرا امتحان لینے کیلئے میں یہاں بیٹھا تھا۔ خیر معلوم ہوا کہ تم ظاہر بین ہو۔ (صفحہ۱۵۴)

بڑے پن سے دستبرداری کا انعام

فرمایا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا، فرد کب بد(خراب) ہوتا ہے، آپ نے فرمایا، جب وہ خود کو اچھا اور بہتر سمجھنے لگتا ہے۔

اسی وقت یہ حکایت فرمائی کہ فرزق نامی ایک شاعر تھا، ایک مرتبہ وہ حضرت حسن بصری کی مجلس میں حاضر تھے، اس وقت کسی نے زور سے پکار کر کہا کہ لوگوں میں سے

ایک بہترین آدمی اور لوگوں میں سے ایک بدترین شخص اس مجمع میں موجود ہیں۔ فرزق شاعر نے یہ سنتے ہی حضرت حسن بصری سے کہا کہ آپ نے اس شخص کی آواز سنی، خواجہ حسن نے ایجاب کیا اور ارشاد فرمایا کہ واللہ اعلم۔ اس مجمع میں اچھا اور برا کون ہے۔ فرزق نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس مجمع میں بدترین مرد میں ہو۔ جب فرزق کا انتقال ہوا، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، فرزق نے کہا، جب مجھے کرسیٔ قضا کے روبرو لے گئے تو میں ڈرنے لگا، اسی وقت فرمانا ہوا کہ ہم نے اس کو اس روز بخش دیا تھا، جس روز اس نے خود کو بدترین مرد سمجھا تھا۔ (فوائد الفوائد صفحہ۳۴۲)

بوعلی سینا کا دعویٰ

فرمایا: شیخ ابوسعید ابو الخیر اور حکیم بوعلی سینا کی آپس میں ملاقات تھی۔ بوعلی سینا نے ایک شخص آپ کی خدمت میں اس لئے چھوڑ رکھا تھا کہ میری غیرموجودگی میں آپ کچھ ارشاد فرمائیں تو وہ مجھے لکھ کر بھیج دیں۔ حضرت ابوسعید کو کیا غرض تھی، جو بوعلی سینا کا ذکر کرتے، اس وجہ سے وہ مخبر ایک عرصہ تک تحریر سے قاصر رہا۔ آخرالامر حکیم بوعلی سینا نے اپنے حاضر باش کو تحریر کیا کہ اگر شیخ میرا ذکر خود نہیں کرتے تو تم میری نسبت دریافت کرو کہ بوعلی سینا کیسا آدمی ہے۔ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں اس شخص نے ایک روز آپ سے دریافت کیا۔ بوعلی کیسے آدمی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایک مرد ہے حکیم دانا، عالم اور طبیب، لیکن مکارم اخلاق نہیں رکھتا۔ اس شخص نے یہ واقعہ بوعلی سینا کو لکھ کر بھیجا بوعلی سینا نے حضرت کو لکھا کہ میں علم اخلاق کا عالم ہوں اور میں نے بہت سی کتابیں علم اخلاق کے موضوع پر لکھی ہیں۔ آپ مجھے کس وجہ سے بے خبر از علم اخلاق فرماتے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں لکھوا بھیجا کہ میں نے تم کو علم اخلاق سے جاہل نہیں کہا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ بوعلی سینا کو مکارم اخلاق حاصل نہیں ہے۔ (۳۰۹)

بزرگی کے دعویٰ کے اثرات

خواجہ ابوالحسن نوری ایک روز دجلہ کے کنارے پر گئے، وہاں ماہی گیر کو دریا میں مچھلی پکڑتے دیکھا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا، تم دریا میں جال ڈالو، اگر میں

صاحب کرامت ہوں گا تو جال میں مچھلی پورے ڈھائی من کی آئیگی۔ الغرض اس ماہی گیر نے جال ڈال کر کھینچا، بڑی مچھلی پھنسی۔ جب وزن کیا گیا تو پورے ڈھائی من نکلی۔ جب یہ خبر حضرت جنید بغدادیؒ کو پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا، کاش اس جال میں سانپ پھنستا اور ابو الحسن کو ڈستا کہ اس کا خاتمہ اچھا ہوتا۔ اب نہ معلوم، اس کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ (صفحہ۲۸۹)

فرمایا، ایک درویش تھے، جب کوئی دردشکم کا مریض آپ کے پاس آتا، آپ اس کو شکنبہ کھانے کو کہتے اور درد سر والے کو سری بریاں کھانے کو کہتے، الغرض جو زبان سے کہتے، اس کے کھانے سے درد اچھا ہوجاتا۔ علی شوریدہ نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کیجیے، ورنہ کسی بلا میں مبتلا ہوجائینگے۔ بالاخر ایسا ہی ہوا، وہ ایک بلا میں مبتلا ہوئے۔ اور علی شوریدہ سے دعا کے ذریعہ مدد چاہی، لیکن انہوں نے دعائے خیر نہ کی اور وہ درویش اسی حالت میں مر گئے۔ (صفحہ۲۸۹)

تکبر

امام غزالی کی نظر میں

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تکبر کے موضوع پر جو بحث کی ہے، اس کے کچھ نکات یہ ہیں۔ کبر کا مطلب اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا ہے۔ اسی احساس سے متکبرانہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں، تکبر کی نفسیات یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا، تعظیم میں کوتاہی ہوجائے تو ناراض ہوجانا ہے۔ متکبر یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں پر اس کی تعظیم کرنا حق ہے۔ تکبر کی وجہ سے ہی مناظرے میں فریق مخالف کی حق بات کو بھی باطل ثابت کرنے کی کوشش کرنا، اسے منطقی بحثوں میں الجھا دینا، کوئی اسے نصیحت کرے تو غضبناک ہوجانا وغیرہ ہے۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُونَ فِيْ الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ.

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں۔ جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔

متکبرین کے قلوب سے فہم قرآن اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور عالم ملکوت اور ان کے

درمیاں حجاب پیدا کر دیا جاتا ہے۔ ابن صریح کہتے ہیں کہ ان کو آیات الٰہی میں غور و فکر سے پھیر دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ بیج ہمیشہ نرم زمین میں اگتا ہے۔ سخت زمین میں ہرگز نہیں اگتا'' اسی طرح حکمت بھی صرف متواضع قلب ہی میں پیدا ہوتی ہے۔ متکبروں کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لئے متکبر سے حکمت کا فہم سلب کر لیا جاتا ہے۔

فاروق اعظم نے فرمایا، مجھے علماء کے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ مبادا علم کی وجہ سے ان میں تکبر پیدا ہوجائے۔

حضرت تمیم الداریؓ نے سیدنا عمرؓ سے وعظ کہنے کی اجازت طلب کی، آپ نے انکار فرمایا اور کہا تم ذبح ہوجاؤ گے۔ یعنی کبر میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں اپنی قوم کا امام ہوں، اس لئے مجھے نمازوں کے بعد تذکیر ودعا کی اجازت دی جائے، آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم اتنے نہ پھول جاؤ کہ تمہارا سر ثریا سے جالگے، (آپ کو اس کے متعلق کبر کا خدشہ پیدا ہوا)۔

حضرت حذیفہؓ نے ایک دن نماز پڑھانے کے بعد لوگوں سے کہا کہ تم اپنے لئے دوسرا امام منتخب کر لو، یا الگ الگ نماز پڑھلو، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ میرے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ آج میری قوم میں مجھ سے بڑھکر کوئی نہیں ہے۔

چھوٹا بن کر رہنے کی وصیت اور اس کے فوائد

حضرت سید احمد بن رفاعیؒ (جو اکابر اولیاء کرام کی صف اول میں شامل ہیں اور مصر کے دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں) نے مرض الموت کے وقت ایک اہم وصیت فرمائی تھی، وہ اس قابل ہے کہ یہاں درج کی جائے۔ فرمایا تھا، تمہیں چاہئے کہ دم کی طرح پیچھے رہو۔ سر کی طرح آگے نہ ہو (یعنی قیادت وامامت کے منصب پر فائز نہ ہو) کیونکہ مار سب سے پہلے سر پر پڑتی ہے۔ آپ نے کھجور کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا کہ کھجور کا یہ درخت سینہ ابھار کر کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پھلوں کا سارا بوجھ

اس پر ڈال دیا، اس میں کوئی اس کی معاونت کرنے والا نہیں۔ بخلاف کدو کے بیل کے کہ اس نے اپنا رخسار زمین پر بچھا دیا تو حق تعالیٰ نے اس کے پھلوں کا سارا بوجھ دوسروں پر ڈال دیا۔''

حضرت سید احمد بن رفاعیؒ اپنی کتاب ''بنیان المشید'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مختلف راستوں سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن سارے دروازوں پر بڑا ہجوم تھا، آخر میں جب عاجزی، نفیٔ ذات اور پامالیٔ ذات کے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی تو دروازہ کھلا پایا اور میں اندر داخل ہوگیا۔

تکبر

حضرت یحیٰ منیریؒ کی کتاب ''مکتوبات صدی'' میں

حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں، تین گروہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں مبتلا ہیں۔ زاہد اپنے زہد کے حجاب میں، عابد اپنی عبادت کے حجاب میں اور عالم اپنے علم کے حجاب میں۔ یہ کلام ایک سمندر ہے کہ اس کے عجائب وغرائب کبھی ختم ہونے والے نہیں، اگر تمہارے دل میں ذرے برابر بھی یہ خیال باقی ہے کہ دنیا میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں تو تو متکبر کہلاؤ گے، دیکھو، خبردار، کبھی دعوے کی ٹوپی سر پر نہ رکھنا، ورنہ دور پھینک دیے جاؤ گے اور غرور پر کمر بستہ رہو گے، یاد رکھو، معرفت کی گفتگو کرنا متکبروں کا کام نہیں۔ **مادام العبد یظن ان فی جمیع الخلق من ھو شر منی فھو** متکبر بندہ جب تک یہ گمان کرتا ہے کہ تمام مخلوق میں کوئی مجھ سے بُرا بھی ہے تو وہ متکبر ہے اور حجاب میں پڑا ہوا ہے۔ (صفحہ ۵۱۷)

تکبر

امام عبدالوھاب شعرانی کی نظر میں

امام عبدالوھاب شعرانیؒ جو دسویں صدی کے بزرگ ہیں اپنی کتاب **تنبیہ المغترین** جس کا اردو ترجمہ ''اولیاء اللہ کے اخلاق'' کے نام سے چھپا ہے بہت عمدہ بحث کی ہے۔

''مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے کہ کتنے چراغ ہیں، جن کو ہوا گُل کرتی ہے اور کتنی عبادات ہیں، جنکو تکبر خراب کرتا ہے۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ وہ ساعت جس میں انسان اپنے آپ کو حقیر خیال کرے، اس کیلئے ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ابوعبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ انسان کو عبادات میں سخت نقصان دینے والی وہ چیز ہے، جو بداعمالیوں کو بھلا دے اور صالحات کی یاد دلائے، جس سے وہ شخص تکبر اور غرور کے درمیان بڑھ جائے گا اور آخرت میں نیکی وثواب سے بالکل محروم ہوجائے گا، حالانکہ وہ اپنے آپ کو صالحین میں شمار کرتا ہے۔

شعبیؒ فرماتے تھے، مروی ہے، پہلے زمانہ میں ایک شخص تھا، جب وہ چلتا تھا تو اس کی بزرگی کے باعث اس پر بادل سایہ کرتے تھے، ایک شخص نے اسے دیکھا تو کہا، بخدا میں بھی اس کے سایہ میں چلونگا، شاید مجھے بھی اسکی برکت حاصل ہو۔ راوی کہتا ہے کہ بزرگ نے جب اس شخص کو اپنے سایہ میں چلتے دیکھا تو دل میں غرور کیا، پھر جب دونوں آپس میں جدا ہوئے تو بادل دوسرے شخص کے ساتھ چلا گیا (یعنی اس کی دعویٰ کی وجہ سے اس سے یہ سعادت سلب کردی گئی)۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے، صدقِ توبہ کی علامت یہ ہے کہ تو خدا کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کرے اور تیرے اخلاص عمل کی علامت یہ ہے کہ تکبر کو چھوڑ دے اور صدق شکر یہ ہے کہ تو اپنی تقصیر کا اعتراف کرے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ جب منبر پر خطبہ کہتے تو دعویٰ سے ڈر کر اپنے کلام کو ایسی طرف بدل دیتے، جس میں دعویٰ نہ ہو، اور جب کوئی خط لکھتے تو اس میں دعویٰ کا خیال پیدا ہوتا تو اسے پھاڑ دیتے اور فرماتے اے اللہ، میں تجھ سے اپنے نفس کی برائی کی پناہ مانگتا ہوں۔

سفیان ثوریؒ جب اپنا حلقۂ درس وسیع ہوتا دیکھتے تو خوفزدہ ہو کر جھٹ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے، واللہ ہم اپنی لاعلمی سے گرفتار ہو چلے تھے۔ راوی کہتا ہے ایک دن لوگوں نے اصرار کیا اور کہا تیرے جیسے نیک آدمی کو ایسی باتوں کا خوف نہیں

ہوتا، آپ نے فرمایا، میں ایسی باتوں سے دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ ڈرتا ہوں، کیونکہ میں اپنے رذیل اخلاق سے واقف ہوں، بخدا اگر مجھ کو عمر بن الخطابؓ ایسی مجلس میں بیٹھا دیکھتے تو مجھے درے لگاتے اور اٹھادیتے اور فرماتے کہ تو اس لائق نہیں ہے۔

مطرف بن عبداللہؒ فرماتے تھے، اگر میں تمام رات سوؤں اور صبح کو اپنے سونے پر نادم ہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے، اس سے کہ میں رات بھر قیام کروں اور صبح کو سونے والوں پر اپنے آپ کو فضیلت دوں۔ (یعنی ایسی نفلی عبادت جس میں دعویٰ شامل ہے، اس سے بہتر عدم عبادت ہے۔ اس لئے کہ ایسی عبادت کا مقصود اللہ نہیں ہوتا، بلکہ نفسی جذبات کی تسکین ہوتی ہے)۔

حسان بن سنانؒ امراء کے ملازموں سے اپنے حق میں دعا کروایا کرتے، کسی نے آپ کو اس کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا، ممکن ہے کہ ان میں سے کسی میں کوئی نیک خصلت ہو، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور شاید مجھ میں کوئی عادت ایسی ہو، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو، نیز ممکن ہے کہ میں اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھوں وہ مجھ سے بہتر ہو۔

عمر بن عبدالعزیزؒ جب بیمار ہوئے تو لوگوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس چوتھی جگہ میں دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اُن کی بات سُنکر کانپنے لگے اور فرمایا، بخدا، اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو دوزخ میں ڈالے تو مجھے وہ اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں یہ خیال ڈالے کہ میں اپنے آپ کو اس جگہ کے قابل سمجھوں۔

سفیان ثوریؒ بکثرت عبادت کیا کرتے، ایک دن کسی نے آپ سے کہا، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بہت عبادت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اپنی عبادت کو وہی زیادہ خیال کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے بُعد میں ہو، کیونکہ ملائکہ اسکی عبادت میں ایک لمحہ بھی سست نہیں ہوتے اور اگر وہ اپنے اعمال کو کثیر خیال کرنے لگیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کبھی اپنی بارگاہ سماوی میں ان کو جگہ نہ دے، لیکن اسقدر عبادت کے باوجود وہ عرض کرتے ہیں۔ **سبحانک ما عبدناک حق عبادتک** (اے اللہ تو پاک ہے ہم نے کما حقہ تیری عبادت نہیں کی)۔

پس اے دوست اس کو اچھی طرح سمجھ لے اور اپنے آپ کو کسی مسلمان سے برتر خیال نہ کر اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کبر کے موضوع پر نہایت جامع بحث کی ہے، ان کی بحث کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

کبر کے بارے میں حکیم الامت کی تحقیق

جب اللہ کی معرفت نہ رہے گی اور بندہ بڑائی کی صفت کا حامل ہوگا تو اس کے نتیجہ میں جتنی بھی خرابیاں اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انانیت اور کبر ہی وہ چیز ہے، جو ساری خرابیوں کی جڑ ہے، حتیٰ کہ شرک کی دنیا میں جو شخص بھی کافر ہوا ہے، وہ اپنے نفس کے کبر اور بڑائی کی وجہ سے ہی ہوا ہے، ورنہ حق مخفی نہیں رہتا۔ **وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّا** یہاں ظلم اور بڑائی کو سبب بتایا گیا ہے، انکار کا، علو اور کبر ہم معنیٰ ہیں۔ ابو طالب کو ایمان لانے سے کس چیز نے روکا، صرف اس عار نے کہ مرتے وقت ایمان لاؤں گا تو میری قوم کہے گی کہ ابو طالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ قوم کے اندر جو مقام اور بلندی حاصل ہے، وہ باقی نہ رہے گی۔ اس رفعت اور ناموری نے پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کام تمام ہوگیا۔

یہ کبر کسی خاص گروہ میں ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ وہ عام مرض ہے، جس میں کم وبیش ہر طبقہ کے لوگ مبتلا ہیں۔ دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ ہی مبتلا ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ان کے برے نتائج سے واقف ہوتے ہیں، لیکن کبر اور جذبۂ بڑائی میں سارا عالم کم وبیش مبتلا ہے، عرب کے مشرک تو جاہل تھے، لیکن اس گروہ کو دیکھیے، جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا۔ یعنی اہل کتاب، ان کے لئے ایمان لانے میں جو چیز رکاوٹ بنی، وہ کبر ہی تو تھا۔ غور کرکے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اور بہت سارے گناہوں کا سبب بھی کبر ہے، ایسے گناہ جو کفر وشرک سے کم تر ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کہ کیا اتنے روز سے یہ شخص احمق رہا اس کام کو ہمیشہ

سے کیوں کرتا رہا کہ اب چھوڑنا پڑا۔ اس شخص نے حماقت سے اپنے نفس کو بچایا یہی کبر بڑا مرض ہے۔

کبر

اللہ کی شان عظمت سے ناآشنائی کا نتیجہ

یہ مرض چونکہ اللہ کی عظمت سے بے خبری کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اس لیے اس کا علاج اللہ کی معرفت ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس عظمت وکبر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے واسطے ثابت کیا ہے۔ ولہ الکبریآء یعنی اسی کے واسطے ہے عظمت۔ بلاغت کے قاعدے سے لہ کو مقدم کرنے کا مطلب یہی ہے کہ عظمت خاص ہے، ذات باری تعالیٰ کے ساتھ، یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ نہیں فرمایا کہ ولہ الکبریا العظمٰے کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کے معمولی حصے دوسروں کے لیے بھی ثابت ہیں۔ بلکہ مطلق کبریا فرما کر، دوسروں کے بڑے پن کی نفی کر دی، اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ **العظمة ازاری والکبریاء ردائی فمن فاوعنی فیھا فصمة** یعنی عظمت میرا تہ بند ہے اور بڑائی میری چادر ہے جو شخص ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا، میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ چادر اور تہ بند فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں خاص میرے لیے ہیں، دوسرا کوئی مدعی ہوگا تو میں اس کو سزا دوں گا۔ جب کبر اللہ تعالیٰ کا حق ہوا تو اپنے نفس میں بڑائی کے جذبہ کا ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساواۃ ہوئی اور دیگر گناہوں کے سلسلہ میں تو حدود مقرر ہیں کہ جب تک فرد ان تک نہ پہنچے، معصیت نہیں ہوتی، مثلاً کھانا کہ جب تک اتنا زیادہ کھایا جائے کہ مرض کا سبب بن جائے، تب تک مباح ہے۔ یا بھوکا رہنا، جب تک کہ سبب نہ ہوجائے ہلاکت کا، جائز ہے۔ مگر کبر وہ گناہ ہے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر** یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

ایمان اور تکبر ایک جگہ نہیں رہ سکتے

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔ **اخرجو من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان** یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اسے پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وہاں فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہے، وہ جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، وہ جنت میں جائے گا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس کی دل میں ذرہ برابر کبر ہے، اس میں ذرہ برابر ایمان نہیں ہوسکتا۔ اور جس میں ذرہ برابر ایمان ہے اس میں ذرہ برابر کبر نہیں ہوسکتا۔ دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں، اگرچہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرہ برابر کبر نہ ہوگا۔ لیکن آخر اس سے بھی تو اس صفت کا کسی درجہ میں ایمان کے متضاد ہونا ثابت ہوا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کبر کتنا بڑا گناہ ہے اور ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ کفر سب سے بڑا گناہ ہے، کفر کی بنیاد کبر ہی تو ہے۔ کفر دراصل کبر کی شاخ ہے۔ تو مسلمان کو چاہیے کہ غور کرے کہ کہیں اس کے دل میں کبر تو نہیں۔ مگر ہماری تو یہ عادت ہے کہ سوچتے ہی نہیں، ورنہ معلوم ہوجاتا کہ اس سے نہ تو دیندار خالی ہیں، نہ دنیا دار، جو دیندار کہلاتے ہیں۔''

دین کے نام پر تکبر میں گرفتاری

''وہ دین کے پیرایہ میں اس گناہ میں گرفتار ہیں۔ اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا داروں سے اچھے ہیں۔ انہیں جتنی ترقی نماز پڑھنے سے ہوتی ہے، اس سے زیادہ اس بڑائی سے تنزل ہوتا ہے، ان کے دل میں دین کے ساتھ ساتھ بدترین قسم کی دنیا شدت کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو نماز کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت موجود نہیں ہوتی اور جب عظمت موجود ہو تو توجہ دوسری طرف جا ہی نہیں سکتی، بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے آدمی اپنی نماز پر فخر کرنے کی بجائے شرمندہ

ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک ذلیل انسان بہت بڑے شاہنشاہ کے حضور میں بہت کم قیمت کا تحفہ لے جائے، دربار کی عظمت وشوکت دیکھ کر، اس کی کیا حالت ہوگی۔ مختصر یہ کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اس کو قدرت نہ ہوگی، ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہوجائے۔ جلدی کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو حقیقت ہے، وہ خوب معلوم ہے، پھر اس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کرکے ذرا بھی شرم نہ آنا، اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت دلوں میں موجود نہیں رہی اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے کہ توجہ دوسری طرف چلی جاتی ہے اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجا لانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہوتو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اصل سبب کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کبر کا سبب دین کے حکم کی تعمیل نہیں ہے، بلکہ دل میں عظمتِ الٰہی کا نہ ہونا ہے۔ دل میں عظمتِ الٰہی پیدا کرنا چاہیے۔ اس سے حکم کی تعمیل میں آسانی بھی پیدا ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ وہ بھی نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ بھی مبتلا ہیں، خوب سمجھ لو، غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیا دار بھی۔ دنیا داروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے، جو دینداروں میں ہوتا ہے، ہاں، دنیا داروں میں کبر کے اور طریقے موجود ہیں۔ وضع میں، لباس میں، شادی بیاہ میں، کبر میں دوسرے گناہوں کے مقابلے میں ایک اور خرابی بھی ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان غلطی یا حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے دوسرے گناہ تو کر جاتا ہے، لیکن دل میں اس پر چوٹ ضرور لگتی ہے اور پریشان ضرور ہوتا ہے، مگر کبر ایسا گناہ ہے کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل میں صدمہ محسوس نہیں ہوتا، جیسے اس نے سرے سے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

تو ہر اس عمل کو جو کبر کی شاخ ہو، چھوڑ دو۔ جیسے غیبت، حسد، وغیرہ۔ آدمی غیبت اس وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے۔ کسی مریض

پر وہی شخص ہنستا ہے، جو خود تندرست ہو۔ اگر فرد خود مریض ہو تو وہ اپنے سے کم مریض پر نہیں ہنسے گا۔ یہ اچھا سمجھنا ہی دراصل کبر ہے۔ اسی طرح جو آدمی دوسروں کی نعمت کو دیکھ کر جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں) اس کی بنا بھی یہی ہے کہ فرد صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے، یہ بھی اپنے نفس کی برائی ہی ہے، جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولو گے تو اس کی بنیاد کبر ہی پاؤ گے۔ لہذا کبر کو چھوڑ دو، تاکہ دل سے گناہوں کی اصل ہی نکل جائے۔ کیوں کہ بڑائی اور تکبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا، وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا۔ اور کس کو دینا تھا۔ تو اس نے نہ تو نفس کا حق پہچانا، نہ ہی حق تعالیٰ کا، اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا۔ یہ شخص کبھی گناہ سے باز نہیں آ سکتا۔ یہ شخص جن گناہوں میں بھی مبتلا ہوجائے کم ہے۔ کیوں کہ گناہوں کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے۔ ایک گناہ سے بچے گا تو دوسرے میں ضرور مبتلا ہوجائے گا۔''

مولانا تھانوی کی یہ تقریر مولانا کے خلیفہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی ؒ کی مرتب کردہ ایک کتاب سے لی گئی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ملفوظات کی کتاب ''الافاضاۃ الیومیہ'' میں بھی بڑے پن کے موضوع پر قیمتی بحث ہے، کچھ ملفوظات پیش کئے جاتے ہیں۔

تکبر اور اس کی مختلف صورتیں

بڑے بڑے گناہ زنا، شراب وغیرہ ہیں، لیکن ان سے بڑا گناہ تکبر ہے۔ اس لیے کہ تکبر شرک کا ایک شعبہ ہے۔ اللہ کے بڑے ہوتے ہوئے اپنے کو بڑا سمجھنا شرک ہے، کیوں کہ متکبر آدمی اللہ کے بڑے ہوتے ہوئے بھی اپنے لیے وہ صفت ثابت کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ (صفحہ ۳۵۔ جلد دہم)

کبر ہمیشہ حمق سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر حمق نہ ہو تو انسان کو اپنی بڑائی کا کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا، اور نہ خیال آ سکتا ہے۔ آج کل خواص وعوام سبھی تقریباً اس

مرض میں مبتلا ہیں۔ ہر شخص خود کو مجتہد مطلق سمجھتا ہے۔ (صفحہ۱۱۸جلد۶)

جو شخص متکبر ہوتا ہے، اس کے دماغ میں خلل ضرور پیدا ہوتا ہے۔ (صفحہ۹۳۔جلد۹)

آج کل خودرائی اور کبر کا مرض عام ہوگیا ہے۔ یہ نفس کم بخت بڑا ہی دشمن ہے۔ کسی کو اس پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے بڑے بڑوں کو پلک جھپکنے میں کہیں سے کہیں پھینک دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیطان ہمیں بہکاتا ہے۔ لیکن شیطان کو کس نے بہکایا تھا۔ نفس نے ہی تو اسے بہکایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کا شر شیطان کے شر سے بڑھ کر ہے، بلکہ صاحب مجاہدہ اور صاحب ریاضت افراد کو بھی نفس کے بارے میں مطمئن ہوکر نہیں بیٹھنا چاہیے، اس لیے کہ بعض اوقات اسباب (حالات) ووسائل نہ ہونے کی وجہ سے نفس دبا رہتا ہے اور اسباب مہیا ہونے کے بعد وہ سرکش ہوجاتا ہے۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است
از غم بے آنتی افسردہ است

آج کل تکبر کا مرض ہر شخص میں عام ہوگیا ہے۔ الا ماشاء اللہ، کسی کو اس بیماری سے بچنے کی فکر ہی نہیں۔ اس مرض کے مختلف اسباب ہیں، کسی میں یہ مرض حسن وجمال کی وجہ سے آتا ہے۔ کسی کے اندر علم وفضل کی وجہ سے اور کسی کے اندر زہد وتقویٰ کی وجہ سے اور کسی کے اندر شجاعت کی وجہ سے اور کسی کے اندر مال ودولت وجائیداد کی وجہ سے آتا ہے۔ غرض کہ یہ بیماری قریب قریب سب کے اندر ہے۔ خاص طور پر لیڈروں کے اندر تو بھری ہوئی ہے اور ان کے اندر کبر کے ساتھ ساتھ حسد کا مرض بھی پیدا ہوگیا ہے، اس لیے ان کو مصلحین اور علماء میں خرابیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے اعتراضات کا اصل سبب کبر وحسد اور جذبۂ آزادی ہے، تاکہ ان کو کوئی کہنے والا باقی نہ رہے۔ مصلح بھی وہ خود ہی ہوں، پھر جو چاہے کرتے پھریں، یہ حریت ہے۔ پہلے تو انگریزوں کے دلدادہ تھے اور دل سے اس پر فریفتہ تھے۔ اب کچھ روز سے قوم کی فلاح وبہبود کی غرض سے بزعم خود مذہب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو سب کچھ خود ہی بننا

چاہتے ہیں۔ مفسر بھی، محدث بھی، فقیہ بھی۔

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
اگر غفلت سے باز آیا جفا کی

(صفحہ۷۸جلد۶)

بندہ ہوکر دعویٰ کیسا، یہ دعویٰ خواہ علم وفضل پر ہو یا حسن وجمال پر یا زہد وتقویٰ پر یا شجاعت اور قوت پر۔ عطا پر دعویٰ کرنا ایسا ہے، جیسے ایک چمار کو بادشاہ اپنے خزانے سے قیمتی موتی عطا کرے، کیا وہ چمار اپنے آپ کو اہل سمجھ کر اس پر فخر وناز کرے گا۔ یا بادشاہ کی اس نظر عنایت پر اس کے اندر مزید عجز وانکسار پیدا ہوگا۔ کہ مجھے اتنی بڑی نعمت سے نوازا گیا، میں اس قابل نہیں تھا۔ اسی طرح سمجھا جائے۔ ہر چیز اس کی عطا فرمائی گئی ہے۔ اور اس کو ہماری طرف منسوب کیا گیا ہے ورنہ حقیقت کیا ہے۔ (صفحہ۷۹۔ جلد۶)

کبھی سادگی کبر کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بہت متواضع شخص ہے۔ کبھی کبر تواضع کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ نفس بڑا مکار ہے۔ میرے ماموں صاحب فرمایا کرتے تے کہ نفس سب کا مولوی ہے، اپنی غرض کے لیے ایسی باتیں سجھاتا ہے کہ بڑے بڑے علماء کو بھی نہیں سوجھتی، بالخصوص پڑھوں لکھوں کا نفس تو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ (صفحہ۹۰۔ جلد۵)

بعض علمی اداروں میں تکبر اور ترفع کو خودداری سمجھاتا ہے۔ اگر کسی کے ہاں رذائل (خراب وصفیں) کمالات سمجھے جائیں اور ان پر فخر کیا جائے، تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے مریض اپنی بیماریوں کو کمال سمجھے۔ ایسی صورت میں طبیب بے چارہ کیا کرسکتا ہے۔ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے۔ (صفحہ۴۶۔جلد۵)

ایک جدید پڑھے لکھے شخص (جو یہاں آئے تھے) وطن واپس جاکر لکھا کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ نفس آمادہ نہیں کہ اپنے مرض کا اظہار کروں، (تحریری صورت میں لکھوں) میں نے لکھا کہ تم یہی مضمون کہ نفس کبر کو اپنی طرف منسوب کرنے

پر آمادہ نہیں۔ مجھے پانچ مرتبہ لکھ کر بھیجدو۔ وہ پانچ مرتبہ بھی لکھنے نہیں پائے تھے کہ مرض سے شفا ہوگئی۔ جو لوگ تصوف کو بدعت سمجھتے ہیں، وہ بتائیں، اس میں کون سی بدعت کی بات ہے، یہ تو تدابیر ہیں۔جیسے طبیب،جسمانی تدابیر اختیار کرتا ہے، اسی طرح یہاں تدابیر ہیں۔مستقل فن ہوجانے کی وجہ سے ان تدابیر کا نام تصوف رکھ دیا گیا ہے۔ یہ تدابیر بذات خود مقصود نہیں۔اصل تو اعمال واجبہ ہیں۔البتہ یہ تدابیر اس مقصد کے لیے معاون ہیں۔ (صفحہ۱۰۱۔جلد۴)

استحقاق کا دعویٰ

نیک عمل کی سعادت کا حاصل ہونا، اسے اپنا کمال نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھنا چاہیے۔ اپنا کمال سمجھنے سے قلب میں استحقاق کا دعویٰ پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بات سخت نقصان دہ ہے۔ اپنے آپ کو ناقص سمجھنا چاہیے اور اپنے استحقاق کی نفی کرنی چاہیے۔ اسی میں خیر ہے۔فضل کسی کمال پر نہیں ہوتا۔

اپنے تقدس پر ناز

ایک صاحب کی متکبرانہ روش پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا۔ آج کل بڑی بزرگی اور ولایت یہ ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لی جائے اور آہستہ آہستہ جھک کر چلائی جائے، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ شیخ المشائخ آرہے ہیں یا خضر علیہ السلام دریا سے نکل کر آگئے ہیں۔ اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ہمارے اندر تہذیب اور انسانیت بھی پیدا ہوئی یا نہیں۔ تمہاری غلطی کا سبب محض تکبر ہے۔مجلس میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو پیٹھ دے کر بیٹھ جانا، اس کا مطلب جذبۂ بڑائی کے علاوہ اور کیا ہے۔

اس طریق میں (تصوف میں) سب سے پہلی چیز اپنے آپ کو فنا کرنا اور ذلیل کرنا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو ذلیل وخوار سمجھے، اگر یہ بات پیدا نہ ہوئی تو پھر محرومی ہی محرومی ہے۔ کچھ حاصل نہ ہوا۔بعض لوگوں کو اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے کا مرض ہوجاتا ہے۔مگر جس شخص کو اپنے خاتمۂ ایمان کا یقین نہ ہو۔ (ظاہر ہے یہ یقین کسی کو بھی نہیں ہوسکتا) تو اپنے تقدس پر ناز کیسا۔ (صفحہ۲۰۹ جلد۴)

اکمل ہونا، افضل ہونے کی دلیل نہیں

کسی معاملہ میں اپنے آپ کو دوسروں سے اکمل سمجھنا تو جائز ہے، اس لیے کہ یہ حسی چیز ہے۔ البتہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھنا جائز نہیں۔ کیوں کہ وہ غیبی چیز ہے، فضیلت کی حقیقت ہے، اللہ کی طرف سے اجر اور اللہ کے ہاں مقبول ہونا۔ مثلاً ایک شخص کی ایک آنکھ ہے، دوسرے شخص کی دونوں آنکھیں ہیں تو دو آنکھوں والے شخص کو یہ سمجھنا کہ میں اکمل ہوں، میرے پاس خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ یہ جائز ہے۔لیکن اسے اپنے آپ کو ایک آنکھ والے شخص سے افضل سمجھنا، ناجائز ہے، کیوں کہ آنکھ کو اللہ کے قرب میں کوئی دخل نہیں۔ یا ایک شخص عالم ہے، دوسرا جاہل، تو عالم اکمل تو ہے، مگر اس کا جاہل کے مقابلے میں افضل ہونا یہ اللہ کو معلوم ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ عالم کے لئے افضل ہونا بھی لازم ہو۔ممکن ہے کہ جاہل کے قلب میں ایسی چیز (اخلاص وغیرہ) موجود ہو، جو اللہ کے نزدیک علم کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہو۔تو اپنی صلاحیت کی بنا پر اپنے آپ کو افضل سمجھنا، برا ہے۔ یہی وہ علوم ہیں جو باخبر کی صحبت سے میسر ہوتے ہیں۔ (صفحہ۱۸۷جلد۷)

تواضع کا سبق

یہاں ایک بڑے فاضل (مولانا سید سلیمان ندوی، مرتب) آئے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجیے، میں نے کہا کہ آپ خود عالم ہیں۔ میں آپ کو کیا نصیحت کروں، انہوں نے پھر اصرار کیا، میں نے کہا کہ مجھے تو بس ایک سبق یاد ہے، اس کو دہرائے دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو مٹانا چاہیے۔ میری اس بات کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگے۔ (صفحہ۱۸۷۔ جلد۱۰)

تواضع

پیر صاحب کو اس پر ناز نہیں کرنا چاہیے کہ میں مریدوں کے لیے ذریعہ اصلاح ہوں۔ بلکہ کبھی مرید پیر کے لیے ذریعہ نجات ہوجاتے ہیں۔ جیسے باپ کبھی بیٹے کا محتاج

ہوتا ہے کہ بھائی لاٹھی پکڑا لو اور کبھی بیٹے کو باپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرید پر اللہ کی طرف سے رحمت ہوگی تو پیر کو بھی ہمراہ لیگا۔ اس بنا پر حضرت حاجی امداد اللہؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس نیت سے مرید کرلیتے ہیں کہ اگر اپنے تعلق والے پر رحمت ہوگئی تو ہم بھی اس کے ساتھ شامل ہوجائیں گے۔ واقعتہ ایسے ہی حضرات اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھے۔ (صفحہ۳۷ جلد۴)

اپنی ذات کی نفی

میں بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو تمام موجودات سے کمتر سمجھتا ہوں تو میں فخر کیا کرتا، محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے یہ دولت نصیب فرمائی۔ فخر کا دعویٰ تو بہت دور کی بات ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایمان کے ساتھ دنیا سے چلا جاؤں تو یہی بڑا فضل ہے، باقی درجات (کے حصول) کا تو کبھی دل میں خیال اور وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ ہم درجات کی کیا تمنا کریں۔ ہماری ہستی ہی کیا ہے اور سب اس کی عطا ہے۔ اور عطا پر کوئی دعویٰ اور فخر کیا کرسکتا ہے۔ دعویٰ تو وہی کرسکتا ہے، جو اسے اپنا کمال سمجھتا ہو، یہاں تو اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ جو کچھ ہے، اپنے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ہے۔ میں نے دعائیں ہر مسلک کے بزرگوں سے لی ہیں۔ ایسے بزرگوں سے بھی جو بظاہر بدعتی کہلاتے تھے، کیوں کہ پہلے ایسے لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے۔ ان میں دین تھا، عناد اورشہرت نہ تھی، جیسے آج کل کے بدعتی اکثر بددین بلکہ فاسق فاجر تک ہیں۔ (صفحہ۸ جلد۸)

کچھ حاصل نہ ہونے کا احساس

اعمال بڑی چیز ہیں۔ احوال نہیں۔ اعمال میں جو کیفیات ہیں، وہ نہایت ہی لطیف ہیں، وہ محسوس نہیں ہوتیں۔ یہ روحانی کیفیات ہوتی ہیں۔ جو اعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اور احوال اکثر نفسانی ہوتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعمال میں جو کیفیات ہوتی ہیں۔ ان میں سکون ہوتا ہے۔ اور احوال نفسانی میں ایک قسم کا زور وشور ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے۔ وہ محسوس نہیں ہوتے۔ لیکن اصل چیز

اعمال ہی ہیں۔ لیکن چوں کہ ان کے ثمرات باطنی لطیف ہوتے ہیں اور محسوس نہیں ہوتے، اس لئے سالک یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں ایک بار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر ساری عمر کی ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد سالک یہ سمجھے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہوگیا، بشرطیکہ اعمال میں خلل نہ ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں اس کی کیفیاتِ روحانی ہی حقیقی کمالات ہیں۔ دوسرے یہ سمجھنا فنا (اپنی ذات کی نفی) کی علامت ہے جو سلوک کی انتہا ہے۔

ایک شخص نے مجھے لکھا کہ ذکر وفکر کرتے ہوئے اتنا وقت گذر چکا ہے، لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ میں نے لکھا کہ یہ یوم عید ہے، جس میں یہ خیال ہوا کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، جس روز یہ خیال پیدا ہوگا کہ مجھے کچھ حاصل ہوگیا ہے وہ یوم ماتم ہوگا۔ (صفحہ۱۹۴ جلد۶)

تربیت وتواضع کے کچھ واقعات

حضرت شبلیؒ کا ایک قصہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ایک خادم کو عجب کا مرض پیدا ہوگیا تھا، اس کی شکایت پر آپ نے اس کو اخروٹوں کا ایک ٹوکرا دے کر یہ علاج تجویز فرمایا کہ تم اپنے معتقدین کے محلے میں جاکر اعلان کرو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا، میں اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ اس طرح یہ سب اخروٹ ختم کرکے آؤ۔ اسی طرح ابو سعید گنگوہیؒ کا ایک قصہ ہے۔ آپ نے جب ذکر وفکر کیا تو آپ کے شیخ حضرت مولانا نظام الدین بلخی کو محسوس ہوا کہ حضرت ابو سعیدؒ کے اندر عجب پیدا ہوگیا ہے تو انہوں نے حضرت ابو سعیدؒ سے ذکر وفکر چھڑا کر شکاری کتوں کی خدمت ان کے سپرد کی۔ (صفحہ۲۵۸۔جلد۱۰)

مولانا شاہ اسماعیل شہید کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے مرشد سید احمد شہیدؒ کی مجلس میں شرکت کرنے اور بیٹھنے کو خلاف ادب سمجھتے تھے، حضرت صاحب کی جوتیاں لیے ہوئے مجلس کے آخر میں بیٹھے رہتے تھے، اگر کبھی بیٹھے بیٹھے نیند آجاتی تو وہیں جوتیاں

سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے تھے۔ جب سید احمد شہید کی پالکی چلتی تھی تو اس کے ساتھ دوڑا کرتے تھے۔ اس کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔ چاندنی چوک دہلی میں پالکی جارہی ہے، آپ ساتھ دوڑ رہے ہیں، دہلی میں اس خاندان (شاہ ولی اللہؒ) کے خاندان کے ہزاروں سلامی تھے، مگر حضرت شاہ صاحب کو اس کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں تھی۔ (ایضا)

تکبر کی سزا اور اس سے بچنے کی صورت

دنیا میں بعض مقامات ایسے ہیں، جہاں کے اکثر لوگ بے وقوف ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض جگہوں کے اکثر لوگ عاقل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بے وقوف لوگوں میں خوشحالی زیادہ ہے اور عاقل لوگوں میں اکثر افلاس اور غربت زیادہ دیکھی گئی ہے۔ اس طرح کی صورت حال میں بعض اوقات عقلمندی خودنحوست اور افلاس کا سبب بن جاتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ان عقلاء کے اندر اپنے آپ کو بڑا اور افضل سمجھنے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس طرح ان کو تکبر کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کو مفلس بنا دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تکبر اور دعویٰ کا علاج کیا ہے اور وہ کیا تدبیر ہے کہ کمال کے حصول کے بعد بھی دعویٰ پیدا نہ ہو؟ اس کا طریقہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ بزرگوں کی یعنی اولیاء اللہ کی جوتیاں درست کی جائیں اور ان کی صحبت میں رہا جائے تو پھر یہ حالت ہوجاتی ہے کہ کمال تو بڑھتا جاتا ہے، مگر دعویٰ گھٹتا جاتا ہے۔ اور بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے دعویٰ کے فنا ہوجانے کا سبب یہ ہے کہ ان کی صحبت کی برکت سے افراد کی نظر کمال کی حقیقت تک یعنی کمال کے انتہائی درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ چوں کہ فرد کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی حالت کا دوسروں سے موازنہ کرنے کی بجائے اصل حقیقت سے اپنی حالت کا موازنہ کرتا ہے۔ اس وقت وہ دیکھتا ہے کہ حقیقت کے مقابلے میں میری حالت بالکل ہیچ ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنے کی بجائے ناقص اور ہیچ در ہیچ سمجھنے لگتا ہے۔ مثلا ایسے شخص کی نظر عقل کی حقیقت

پر ہوتی ہے تو جب وہ اس حقیقت سے اپنی عقل کا موازنہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ عقل کی حقیقت کے مقابلے میں میری عقل کچھ بھی نہیں۔ اس لیے وہ اس کے مدعی ہونے کی بجائے اپنی عقل کو ہیچ سمجھتا ہے۔ اس طرح اس شخص کی نظر علم کی حقیقت پر ہوتی ہے۔ علم کی جو حقیقت ہے، اس سے جب وہ اپنے علم کا موازنہ کرتا ہے تو وہ اپنے علم کو انتہائی ناقص اور بے معنیٰ تصور کرنے لگتا ہے اور اپنے کو علم کا مدعی ہونے کی بجائے اپنے علم کو کالعدم سمجھنے لگتا ہے۔ اگرچہ علم وفضل میں وہ ممتاز مقام پر فائز ہوتا ہے، لوگ اس کے فضل وکمال کے قائل بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ خود کو، ہیچ سمجھتا ہے۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کتنے بڑے عالم تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی بھر کے پڑھنے پڑھانے سے علم تو حاصل نہ ہوا، مگر یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اپنے جہل یعنی لاعلمی کا علم ہوگیا۔ (صفحہ۳۳۔ جلد۹)

حب مال کا بت

اور اس کی پرستش کے اثرات

موجودہ دور کے انسان کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنا دل، دنیا و دولت کو دے چکا ہے اور اس کی ساری حسرتیں اور سارے ارمان دولت ودنیا سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ ہمارا صنعتکار، ہمارا تاجر، ہمارے اہل سیاست، ہمارے افسراں، ہمارے ڈاکٹر، ہمارے انجنیئر ، ہمارے وکیل، ہمارے صحافی، ہمارے ٹیکنیکل ماہر، ہمارے پیر اور ہمارے اہل مذہب سے وابستہ طبقات، ان سب کا ہدف عام طور پر دنیا و دولت بن چکی ہے۔ ان سارے طبقات میں ایسے افراد تلاش بسار کے بعد ملتے ہیں، جو حب مال اور دولت کی پرستش سے بلند ہوچکے ہوں، جہاں تک ضروریات زندگی کی خاطر دولت کے حصول کی جدوجہد ہے تو وہ تو دینی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔

قرآن واحادیث میں دولت کی مطلق نفی نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ دنیا کے اپنے حصہ سے بہرہ ور ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک جگہ دنیا کی رونق کی چیزوں سے استفادہ اہل ایمان کا حق قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا . (القصص آیت ۷۷) اور اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس سے اپنے لئے بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُواْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (الاعراف آیت ۳۲) (اللہ نے کھانے پینے اور زینت کی جو چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں، ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے حرام کیا، کہدو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں)۔

قرآن میں مال کو زندگی کو مستحکم کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

وَلاَ تُؤْتُواْ السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاما . (النساء ۵) یعنی تم

اپنے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے باعث قیام قرار دیا ہے۔ بیوقوفوں کو مت دے ڈالو۔

دوسری جگہ ہے۔

فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُواْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ. (النساء ۶) یعنی جب یتیموں کو دیکھو کہ اچھی طرح سمجھ آ گئی تو ان کے مال ان کو دیدو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب بیٹوں نے آ کر کہا کہ **ونزداد کیل بعیر** یعنی ایک اونٹ اناج کا اور زیادہ ملے گا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام جب بیماری سے شفایاب ہو چکے تو سونے کی ٹڈیاں ان کے پاس سے گزریں، وہ ان کو پکڑنے کے لئے اپنی چادر پھیلانے لگے۔ تاکہ زیادہ ٹڈیاں آئیں، ارشاد ہوا کہ اے ایوب، کیا سیر نہیں ہوا، عرض کی اے پروردگار! تیرے فضل سے کس کا سیر ہوتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام میں جائز ضروریات کے لئے دولت کے حصول کے لئے جدوجہد ضروری ہے، بلکہ یہ ایسا فریضہ ہے، جس میں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اس سے دوسروں کی محتاجی سے بچنے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اولاد کو احساس کمتری سے بچایا جا سکتا ہے، معاشی تفکرات سے نجات ملتی ہے وغیرہ وغیرہ، اس لئے بعض احادیث میں اس پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

حضورﷺ نے حضرت سعدؓ کو فرمایا، تمہارے لئے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، نیز آپﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابو بکرؓ کے مال سے زیادہ کسی مال نے نفع نہیں پہنچایا۔

حضرت کعب بن مالک اپنے توبہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ میری توبہ یہ ہے کہ اپنا مال خدا اور اس کے رسول کے لئے خیرات کردوں، ارشاد فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رہنے دو، یہ

تمہارے حق میں بہتر ہے۔

عمرو بن عاص کہتے ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سجا کر میرے پاس آؤ، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایک لشکر پر حاکم کرکے بھیجتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے گا۔ اور غنیمت عطا فرمائے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ جس قدر جی چاہے، مال لے لینا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ، میں کچھ مال کی خواہش سے اسلام نہیں لایا۔ بلکہ اسلام کی محبت سے مسلمان ہوا ہوں، فرمایا، اے عمرو! اچھا مال اچھے فرد کے لئے ہوتا ہے۔

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میرے لئے رسول اللہ ﷺ نے خیر وبرکت کی دعا کی اور دعا کے آخری الفاظ یہ تھے۔

اللهم اكثر ماله وولده وبارك له.

(یا اللہ انس کو مال واولاد زیادہ عطا فرما اور اس میں برکت دے)۔

موجودہ دور کی معاشی جکڑ بندیاں

قرآن واحادیث میں جس معاشی جدوجہد کی تاکید کی گئی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کے استحضار اور اس کی تیاری کے احساس کے غلبہ، اللہ کے ذکر کے لئے دل کی آمادگی اور دنیا کو مقصود کا درجہ نہ دینے، دوسروں کی محتاجی سے بچنے اور اپنی اولاد کو دوسروں کے رحم وکرم نہ چھوڑنے کے احساس کے ساتھ دی ہے۔

اس کے برعکس موجودہ دور کی ہماری معاشی سرگرمیاں ایسی ہیں، جو آخرت کو فراموش کرکے دنیا ہی کو مقصود بنانے اور ذکر وعبادت واطاعت سے دستبردار ہو کر، خوشحال زندگی کو کامیابی کا معیار سمجھنے پر مشتمل ہیں۔

دور جدید کی سرمایہ دارانہ جکڑ بندیوں سے دنیا کا کوئی ملک اور کوئی قوم آزاد نہیں، سرمایہ دار کی ان جکڑبندیوں نے ہمارے مادی اور معاشی احساسات کو نہایت طاقتور اور تیز سے تیز تر کر دیا ہے اور ہمارے وقت کا بیشتر حصہ معاشی جدوجہد کی نذر ہوگیا ہے۔ قرآن وحدیث اس طرح کی معاشی جدوجہد کی نہ صرف یہ کہ نفی کرتے ہیں، بلکہ وہ اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور دنیا میں اس انہماک کو آخرت کی زندگی

کی تباہی کے مترادف قرار دیتے ہے۔

دولت ودنیا کی حیثیت قرآن کی نظر میں

اس سلسلہ میں ہم ذیل میں تفصیل سے قرآن واحادیث نقل کریں گے، جس سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ذکر کے استحضار اور آخرت کی فکر کے غلبہ کے بغیر معاشی جدوجہد سراسر خسارہ کا موجب ہے۔

اس سے نہ تو معاشی جدوجہد کا اصل ہدف یعنی بنیادی ضروریات کے ہدف کی تکمیل کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس ساری جدوجہد سے سکون قلب ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ آخرت کا جو نقصان ہے، وہ تو سب سے بڑا اور ناقابل تلافی نقصان ہے ہی۔

اس سلسلہ میں قرآن کی بہت ساری آیات ہیں۔ چند آیات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ لاَ يَرْجُونَ لِقَاءنَا وَرَضُواْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّواْ بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ أُوْلَـئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُون.

(جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی اور خوش ہیں اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، ان کے کاموں کے بدلہ میں)۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ . (اور جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے۔)

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْه . (طـه . آیت ۱۳۱) (اور ان لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، جن میں سے بعض کو ہم نے دنیا کی زندگی میں لذت کی چیزوں سے بہرہ ور کیا ہے۔ تاکہ ان کی آزمائش کریں)۔

وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ

سُقُفاً مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَاباً وَسُرُراً عَلَيْهَا يَتَّكِؤُونَ

(اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہوجائیں گے تو جو لوگ خدا کے منکر ہیں ہم ان کی گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی، جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔) (الزخرف ۳۳۔۳۴)

فَلاَ تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلاَ أَوْلاَدُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.

(تم ان کے مال واولاد پر تعجب نہ کرنا، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی عذاب دے)۔

لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ . (آل عمران آیت ۹۲) (تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک جو چیز تمہیں محبوب ہے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔)

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاء أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلاً أَوْ نَهَاراً فَجَعَلْنَاهَا حَصِيداً كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالأَمْسِ . (یونس آیت ۲۴) (دنیا کی مثال برسات کی سی ہے کہ ہم نے اسے آسمان سے برسایا پھر اس کے ساتھ سبزہ اگایا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں۔ یہاں تک زمین سبزہ سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں تو ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) پہنچا تو ہم نے اسے کاٹ کر ایسا کر دیا کہ گویا وہ کل کچھ تھا ہی نہیں)۔

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُون . (اصل زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے، کاش کہ یہ لوگ جانتے)۔

أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ قَلِيلٌ. (التوبہ آیت ۴۸)

(کیا تم آخرت کی بجائے دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے ہو، دنیا کی زندگی کے

فوائد تو آخرت کے مقابلہ بہت قلیل ہیں)۔

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ . (الانفال ۶۷) (تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے)۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى . (الاعلیٰ ۱۴ تا ۱۷) (کامیاب ہوا وہ شخص جس نے تزکیہ کیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے)۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَه يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ . (الھمزۃ ۱ تا ۴) (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہے اور رو دررو طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا، جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے)۔

وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجاً أُوْلَـئِكَ فِي ضَلاَلٍ بَعِيدٍ . (ابراھیم آیت ۳)

(بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے، ان کافروں کے لئے جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی کے متلاشی ہیں، ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔)

اللّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُواْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ مَتَاعٌ. (الرعد آیت ۲۶)

(اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی اتراتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّهِ حَقٌّ فَلاَ تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا. (فاطر آیت ۵)

(لوگو، اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے۔)

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً. (القصص آیت ۷۹۔۸۰)

(پھر وہ (قارون) اپنی آرائش (وزینت سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب تھے، وہ کہنے لگے کہ کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ سازوسامان ملا ہوتا۔جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو ہم نے فہم عطا کی ہوئی تھی وہ کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔)

قرآن کی یہ آیات اپنے مطلب ومفہوم میں بالکل واضح ہیں، اگر خالی دل کے ساتھ پڑھی جائیں تو دل، دنیا سے بے نیاز ہوکر آخرت کی فکر سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

قارون وقت کی ریس کرنے کی ہماری نفسیات

قرآن کی آخری آیت ایسی ہے جو ہمارے موجودہ دور کے سرمایہ دار اور قارونِ وقت کی مال ودولت سے ٹھاٹھ باٹھ والی زندگی اور اس کی ریس کرنے کے ہمارے رجحانات کی پوری طرح عکاسی کرتی ہے۔ موجودہ دور کا قارون، مادی دنیا کے زیب وزینت کے سازوسامان سے سج سجا کر ہر وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور ہم اسے دیکھکر کف افسوس ملنے لگتے ہیں کہ کاش یہ دولت اور آسائش کا یہ سامان ہمیں بھی حاصل ہوتا۔مسلم امت کے کروڑہا افراد ہیں، جن کی زندگی اور ساری توانائیوں کا ہدف قارونِ وقت کی ریس میں دولت ودنیا بن چکی ہے، وہ آخرت سے بے نیاز ہوکر دولت اور لذتوں اور آسائش سے بھرپور دنیا پر اپنا دل دے چکے ہیں۔ قرآن کی یہ آیت جہاں ان کے حالات کی عکاسی کرتی ہے وہاں ان کے لئے ایک طرح سے انتباہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

حب دنیا احادیث کی نظر میں

اب اس سلسلہ میں کچھ احادیث رسول ﷺ پیش کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہلاک ہو، درہم ودینار کا بندہ، وہ گرے اور نہ اٹھے، یہ دونوں جہانوں کی رحمت والی ہستی کی طرف سے دنیا کے پرستار کے لئے ایک طرح کی بددعا ہے، رسالتمآب ﷺ کی طرف سے دولت سے محبت کرنے والوں کے لئے بددعا کے بعد سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، دولت ودنیا پر مجنون ہونے کی بجائے آخرت کی فکر غالب کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **الدنیا ملعون وفیھا الا ذکر اللہ.** دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے، سواء اللہ کے ذکر کے، یعنی دنیا کو ملعونیت سے بچانے والی چیز اللہ کا ذکر ہی ہے۔ اللہ کے ذکر کی بدولت ہی فرد دنیا کی ملعونیت سے محفوظ ہوسکتا ہے اور ذکر کے نور اور اس کی برکت سے یہ دنیا خیروبرکت کا باعث ہوسکتی ہے، ورنہ یہ دنیا سراسر فساد ہی فساد ہے، یہ فرد میں سنگ دلی پیدا کردیتی ہے اور ذکر اور آخرت کی فکر کو مضمحل کردیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مثال سمندر کے پانی کے اس قطرہ سے دی ہے، جو سمندر میں انگلی ڈالنے سے انگلی پر لگتا ہے اور آخرت اور آخرت کی زندگی کو سمندر سے تشبیہ دی ہے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا تعلق، دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے، جو دوران سفر درخت کے سائے میں پناہ لے کر چلا جائے۔

ایک حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ غریب مؤمن خوشحال مومن سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت ساری بُرائیوں کی جڑ ہے، یعنی جس شخص میں دنیا کی محبت پیدا ہوجائے، دوسری بُرائیاں اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔

آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جس گروہ اور طبقہ میں دنیا آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اندر عناد اور بغض پیدا کردیتے ہیں۔ جس قدر دنیا کی محبت کم

ہوگی، اسی قدر عداوت بھی کم ہوگی، یعنی جس طرح کتے ہڈی کے ٹکرے پر لڑتے ہیں یہی حال اس طبقہ یا خاندان کا ہوجاتا ہے، جس میں دنیا کی محبت آتی ہے۔ ایسے لوگوں کے درمیاں چھوٹی چھوٹی چیزوں پر نہ ختم ہونے والے جھگڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان جھگڑوں کے پس پردہ اصل جذبہ حب دنیا کا ہوتا ہے، دنیا جس قدر کم ہوگی جھگڑے اور عداوت بھی اسی قدر کم ہوگی۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کرام، دین کے امین ہیں۔ جب تک وہ مالداروں سے تعلقات استوار نہیں کرتے۔ جب وہ ان سے تعلقات استوار کریں گے تو وہ دین کے رہزن بن جائیں گے۔ یعنی اس کے بعد مالداری کے اثرات آ کر ان کو حب مال کے جذبات سے سرشار کردیں گے اور وہ دین کو مالداروں کے مفادات کی خاطر استعمال کریں گے۔ (واضح ہو کہ مذکورہ دونوں حدیثیں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ سے ماخوذ ہیں)۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، مال وجاہ کی محبت دلوں میں نفاق اس طرح پیدا کردیتی ہے، جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے لئے اتنا کرو، جتنا دنیا میں رہنا ہے، آخرت کے لئے اتنا کرو، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح تم اپنے مریض کو کھانے پینے سے بچاتے ہو۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے کی چیز سے زیادہ اللہ پر اعتماد کرے۔

آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ دنیا میں ایسے رہو، جیسے تم پردیسی ہو یا راستہ چلتے مسافر۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی پانی پینے نہ دیتا۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مال وجاہ کی آرزوئیں کرنے والے ہلاک ہوگئے۔

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ مجھے ڈر اس بات کا نہیں کہ تم دوبارہ شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے، بلکہ ڈر یہ ہے کہ تم جاہ وحشم میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ قیامت کے دن مالدار تمنا کرے گا کہ اے کاش، دنیا میں اسے ضرورت کے مطابق ہی روزی ملتی (ضرورت سے زائد نہیں)۔

ایک روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے سامنے زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں، جب میں بھوکا ہوں گا تو اللہ کے حضور آہ وزاری کروں گا۔ اور جب کھاؤں گا تو اللہ کی تعریف اور اس کا ذکر کروں گا۔

حضور ﷺ نے دعا فرمائی ہے کہ یا اللہ، مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ، مسکینوں کے ساتھ موت نصیب فرما اور مسکینوں کے ساتھ اٹھا۔

ایک حدیث اس طرح ہے، مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے، بلکہ خوف اس بات کا ہے کہ تم ایک دوسری کی حرص کرو گے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا، تم سے پہلی قومیں (مال کی) حرص وہوس کی وجہ سے ہی تباہ ہوئیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: عیش وعشرت سے پرہیز کرو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش نہیں کرتے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے، جتنا مال وجاہ کا حرص فرد کو پہنچا سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، بخدا، مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر پھیلائی گئی تھی، پھر تم پہلے لوگوں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھکر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا، تمہیں بھی برباد کر ڈالے۔ (مسلم)

دولت کے بارے میں

ہمارا طرزِ عمل کیا ہو؟

دنیا اور دولت کے بارے میں قرآن واحادیث کے ان انتباہات کے بعد سوال یہ ہے کہ دولت کے بارے میں ہمارا رویہ اور نقطہ نگاہ کیا ہو اور آج جب کہ دولت،زندگی میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ دولت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ اگر دنیا کے لئے بھرپور جدوجہد نہ کی جائے تو نہ تو بچوں کا صحیح طور پر گذارہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی بچوں کے تعلیم کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں اور فرد معاشرہ میں نکو بن کر رہ جاتا ہے، نیز دور جدید میں بعض چیزیں نہ چاہتے ہوئے بھی ضروریات زندگی کی فہرست میں شامل ہوگئی ہیں، ان سے صرف نظر کیسے ہو؟

اس سلسلہ میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ اگر دل کو دنیا کی محبت سے نکالنے کے کام کو بنیادی اہمیت دی جائے اور اس میں اللہ کی محبت کو غالب کرنے کی جدوجہد ہو تو پھر یہ دولت ودنیا مضر نہیں، بلکہ موجودہ دور میں ضرورت کے تحت دولت کا نہ ہونا وبال ہے اور فرد وافراد کے لئے محتاجی کا ذریعہ بھی ہے۔

جب دل اللہ کی محبت سے سرشار ہونے لگتا ہے تو یہی دل دنیا کی ضروری چیزوں اور غیرضروری چیزوں کا تعین کرنے کی صلاحیت کا ازخود حامل ہوجاتا ہے۔

مولانا رومی نے ایک شعر میں کہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا مال واولاد اور درہم کا نام نہیں ہے، بلکہ دل کا دنیا کے جذبات سے سرشار ہونا دنیا ہے، اگر دل سے یہ جذبات محبت نکل جائیں تو یہی دولت واولاد باعث خیر بن جاتے ہیں۔

قرآن نے ان افراد کی تعریف کی ہے، جنہیں ان کا کاروبار اور خریدوفروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ.

قرآن میں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ ان سے صدقات لے کر ان کو پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفس کی اصلاح اور تزکیہ کا ایک بڑا ذریعہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا جذبہ بھی ہے۔

مال کی محبت نہ ہونے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ دین کی ضروریات اور ملت کی ضروریات کے تحت مال خرچ کرتے ہوئے دل بخل محسوس کرتا ہے یا نہیں، اگر دل اس طرح کے مواقع پر تکلیف، اذیت اور بخل کا مظاہرہ کرے اور مال اور دولت ہونے کے باوجود اسلام اور ملت کی ضروریات کے لئے خرچ کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوتو سمجھا جائے گا کہ فرد پر حب مال اور بخل کے جذبات غالب ہیں۔ بخل کے بارے میں قرآن کی درج ذیل آیت ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُواْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ اچھا کررہے ہیں، بلکہ وہ (بہت) بُرا کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن یہ مال ان کے گردن میں طوق کی صورت میں ڈال دیا جائے گا۔)

بھوکے بھیڑیوں کی مثال

اوپر کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ کو جو نقصان پہنچا سکتے ہیں، مال کا حرص وہوس فردوافراد کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں انسانی نفسیات کی بہت بہتر طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دولت کی محبت فرد کو مجنون بنا دیتی ہے۔ جس طرح مجنون، دنیا کے سارے معاملات میں ہوش وحواس سے محروم، اور بے حس ہوتا ہے۔یہی حالت دنیا میں مستغرق اور دنیا پر فدا ہونے والے افراد کی ہوتی ہے کہ ان کی ساری وابستگیاں دولت ودنیا کے حوالے سے ہوتی ہیں۔ یہی حس ان کی ساری حسوں پر غالب ہوتی ہے، ان پر ہر وقت دنیا پر ٹوٹ پڑنے والی حالت طاری رہتی ہے۔ ان کا دین ومذہب رسمی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ان کا اصل دین دنیا ہی ہوتی ہے، آخرت کے حوالے سے بیدار ہونے اور اللہ کے کنبے یعنی اللہ کی مخلوق اور انسانیت کے کام آنے والی وعظ ونصیحت کی ساری باتیں ان کے لئے لاحاصل ہوتی ہیں۔

دنیا کی محبت کا اپنے ساتھ سنگ دلی وقساوت قلبی کا لانا

دنیا کی محبت کی یہی وہ خصوصیت ہے، جو فرد وافراد کے دین وایمان اور ملت کے حوالے سے احساسات کی تباہی کا موجب ثابت ہوتی ہے، اوپر کی ایک حدیث شریف میں دنیا کی محبت کو ساری برائیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی محبت ساری بُرائیاں اپنے ساتھ لاتی ہے۔ جہاں دولت ہوگی اور اس کے ساتھ والہانہ محبت ہوگی، وہاں سنگ دلی وقساوت قلبی ہوگی، انسان آزاری ہوگی، دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے کی نفسیات غالب ہوگی، اللہ کی مخلوق کو بھوک سے بلبلاتے ہوئے دیکھکر، انہیں کھانا کھلانے یا ان کے ساتھ مالی تعاون کرنے کے جذبہ سے محرومی ہوگی، علم وفن میں مہارت کو پیسے کی مشین بنانے کا ذریعہ سمجھا جائے گا۔ مالی تہی دستی کے معاملہ میں انسانیت پر رحم کھانے کی صفت سے آخری حد تک محرومی ہوگی۔

دنیا کی زندگی جو آخرت کے مقابلہ میں سمندر کے قطرہ کے مثال ہے، اس لمحاتی زندگی کے مستقبل کو تابناک بنانا اور دائمی زندگی کے مقابلہ میں اسے عزیز رکھنا اور اس میں ساری توانائیاں صرف کرنا، یہ دانشمندی ہرگز نہیں۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ لوگ دنیا ہی کے ایک بڑے مقصد کی خاطر چھوٹے چھوٹے مقاصد کی قربانی دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔ مثلا لوگ بہتر روزگار کی خاطر اپنے گھر بار اور وطن تک کو چھوڑ کر، ایک اجنبی ملک میں جاکر خون پسینہ بہانے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ یا رات کے اوقات میں ملازمت کرنے والے افراد رات بھر کی میٹھی نیند کی قربانی دیتے رہتے ہیں۔

آخرت میں نجات اور وہاں کی کامیاب زندگی کے لئے بھی بہرصورت دنیا کی ضروریات کی لسٹ کو کم سے کم تر کرنے، مادی لذتوں کے سامان سے بڑی حد تک دستبردار ہونے اور ایک ہی فکر کو اپنے اوپر غالب کرکے، باقی سارے تفکرات کو اسی ایک فکر کے ماتحت کرنے، اور زہد، سادگی، قناعت اور درویشی اور خود اختیار کردہ فقر کی ضرورت ہے، اگر آٹھ گھنٹے کی جدوجہد سے روزی حاصل ہوتی ہے تو اس پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اگر اس مختصر وقت سے ضرورت سے زیادہ وسائل مہیا ہوتے ہیں تو اللہ سے

والہانہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت سے زائد دولت کو اللہ کی بے کس مخلوق اور ملت کی ضروریات میں صرف کیا جائے، اس سلسلہ میں قرآن کی درج ذیل آیت کو پیش نظر رکھا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّة. (بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان ومال جنت کے بدلہ میں خرید لئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ مومن کی ضروریات کے لئے کافی ہونا

ایک حدیث شریف میں ہے کہ تم اپنے اوپر ایک ہی فکر (اللہ کے دین کی فکر کو اللہ سے محبت کی فکر کو آخرت کی تیاری کے فکر کو) غالب رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے (سارے تفکرات اور ساری ضروریات کے لئے) کافی ثابت ہوگا۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ تم کس وادی میں بھٹکتے پھرتے ہو۔)

اس حدیث شریف میں یہ انتباہ دیا گیا ہے کہ دنیاوی زندگی کو بارونق بنانے اور دنیا کے بہتر مستقبل کی قربانی نہ دینے کا لازمی نتیجہ مادیت کی گہری وادی میں بھٹکتے پھرتے رہنا ہے، جہاں خوشی، حلاوت، سکون وسکینت کا نام ونشان نہیں ہے، یہ ایسی وادی ہے جو دنیا کے ڈھیر جمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ جائداد واملاک بنانے کی حسرتوں و ارمانوں کی وادی ہے۔ اس وادی کے مسافروں کو مسلسل دوڑتے رہنے اور راستہ نظر نہ آنے کے عذاب سے دور چار ہونا پڑتا ہے۔ ان سے نیند تک سلب ہوجاتی ہے۔

دنیا کے بارے میں اہل اللہ کا طرز عمل

دنیا اور دولت کے بارے میں اہل اللہ کا جو نقطہ نگاہ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ اگر دولت آجائے تو جائز ضروریات کی حد تک اسے استعمال کیا جائے، اگر نہ آئے تو اس پر تشویش نہ ہو اور اس کے حصول کے لئے زیادہ کاوشیں نہ ہوں، اگر حاصل شدہ دنیا و دولت کے بارے میں کوئی شخص فریق بن کر سامنے آئے تو وہ دولت اس فریق کے سپرد کردی جائے، اس سلسلہ میں یہاں ایک آدھ واقعہ پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

''سیدی احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ (جو مصر کے بہت بڑے بزرگ تھے) کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے محلّہ ام عبیدہ (قاہرہ مصر میں) اپنا مکان بنایا اور عمارت مکمل ہوگئی اور بچوں کو مکان میں لے آئے تو اسی دن ایک شخص نے آکر دعویٰ کیا کہ یہ زمین تو میری ہے۔ حضرت شیخ نے اسی وقت اس شخص کے کہنے پر بال بچوں اور سامان کو مکان سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ یہ حالت دیکھکر وہ شخص کہنے لگا، اے احمد اس زمین پر میرا کوئی حق نہیں، میں تو صرف آپ کے زہد کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ دنیا سے آپ کو کتنی رغبت ہے؟ اس کے بعد احمد رفاعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے میرے عزیزو! ہمارے نزدیک دنیا کی اتنی وقعت بھی نہیں ہے کہ اس کے لئے ہم کسی حاکم کے پاس جائیں (ہم سے عہد لیا گیا امام عبدالوھاب شعرانیؒ صفحہ۹.۵)

دوسرا واقعہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کا ہے، ریاست رام پور کے نواب نے علماء کی مجلس میں کہا کہ مجھ سے علمائے کرام سب ملنے آتے ہیں، لیکن مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ایک بار بھی ملنے نہیں آئے۔

اگر وہ آئیں تو میں ان کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کروں گا۔ ایک مولوی صاحب نے مولانا کی خانقاہ میں جاکر مولانا سے درخواست کی کہ وہ نواب کی خدمت میں ضرور حاضری دیں۔

اس پر مولانا مراد آبادی نالاں ہوئے اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

جو ہم دل پر اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

(ماخوذ مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی کتاب مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی)۔

دنیا کے بارے میں

حکیم الامت کا نقطہ نظر

دنیا کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا موقف ایسا ہے، جو

انتہائی معتدل ہے، جو مبالغہ اور افراط وتفریط سے پاک ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

جو دولت ضرورت کے مطابق ہو یا اس سے زیادہ، اگر اس سے ذکر وعبادت اور دین سے غفلت نہ ہو تو وہ دنیا مذموم نہیں۔ بلکہ ضرورت کی خاطر دولت کے لئے جدوجہد ضروری ہے۔ ملا جامی جب شیخ کی تلاش میں خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں پہنچے تو خواجہ صاحب کے ہاں بڑا ٹھاٹ تھا۔ دنیا کی ہر طرح کی نعمتیں موجود تھیں۔ ملا جامی آکر بہت پچھتائے اور جوش میں آکر بے اختیار ان کی زبان سے یہ شعر نکلا۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

اور یہ کہکر بہت حسرت وافسوس کے ساتھ کسی مسجد میں جاکر لیٹ گئے، خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے اور ملا صاحب کسی قرضدار کے تقاضے سے سخت پریشان ہیں، اس حالت میں ایک طرف سے خواجہ صاحب احتشام سے تشریف لارہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ درویش کو کیوں پریشان کیا ہے، ہم نے جو خزانہ یہاں جمع کیا ہے، اس میں سے قرضدار کو دیدو، اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت خواجہ صاحب اسی مسجد میں آرہے تھے، فورا حاضر ہوکر قدم بوسی کی اور عرض کیا کہ میری گستاخی معاف ہو، فرمایا کہ وہ مصرعہ جو آپ نے پڑھا تھا، وہ سناؤ۔ خواجہ صاحب کے اصرار پر انہوں نے وہ مصرعہ پڑھکر سنایا۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں، جو دنیا کو دوست رکھے)۔

خواجہ صاحب نے فرمایا، یہ صحیح ہے مگر ناتمام ہے۔ اس کے ساتھ یہ مصرعہ اور ملادو۔

اگر دارد بزئے دوست دارد

(اگر دنیا رکھتا ہے تو محبوب حقیقی کے لئے رکھتا ہے)۔

اگر دولت دین کے لئے ہو تو سبحان اللہ، ایسا مال دنیا نہیں بلکہ وہ دین ہی ہے، مال کی مثال پانی کی ہے اور قلب کی مثال کشتی کی سی ہے، اگر پانی کشتی کے اندر آگیا

تو کشتی ڈوب جائے گی۔ اگر پانی کشتی کے باہر رہے تو تو ایسا پانی کشتی کا معاون ہے۔''

آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است
مال راگر بہردیں باشی حمول
نعم مال صالح گفتہ رسول اللہ ﷺ

(پانی اگر کشتی میں بھر جائے تو کشتی کی بربادی ہے، اگر پانی کشتی کے باہر ہو تو اس کی رفتار میں معاون ہے، مال اگر دین کی خاطر ہے تو یہ فرد کے حق میں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نیک آدمی کے لئے مال اچھی چیز ہے)۔

غرض کہ ضرورت کے مطابق مال ضروری ہے ورنہ پریشانی ہوتی ہے۔

جس مال میں دین سے غفلت ہو اور جو غریبوں کی توہین کا موجب ہو، وہ مال بُرا ہے۔'' (دعوات عبدیت حصہ اول صفحہ ۱۶۰۔۱۶۱)

''انسان کو دنیا کے ساتھ جو طبعی محبت ہے، وہ تو موجود رہے گی۔ لیکن دنیا کے ساتھ جو عقلی محبت ہے، انسان اس کے ازالہ (دور کرنے) کا ذمہ دار ہے۔ کتاب وسنت میں ایک جگہ دنیا کی محبت کی مذمت کی گئی ہے تو دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَیُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا (یعنی انسان اپنی طاقت سے زیادہ کا ذمہ دار نہیں) اور یہ مشاہدہ ہے کہ کوشش کے باوجود دنیا کی طبعی محبت زائل نہیں ہوتی۔ دنیا کی محبت یقیناً مذموم ہے، لیکن اس سے دنیا کی وہ محبت مراد ہے، جو طبعی نہ ہو، کیوں کہ دنیا کی طبعی محبت کا ازالہ کرنا طاقت سے باہر ہے اور جو چیز وسعت سے باہر ہو، انسان اس کا ذمہ دار نہیں۔ لہٰذا انسان طبعی محبت کے ازالہ کا ذمہ دار نہیں۔ باقی جس محبت کا ازالہ کرنا انسان کے اختیار میں ہے، وہ اس کے ازالہ کا ضرور ذمہ دار ہوگا۔ اسی اختیاری محبت کا نام عقلی محبت ہے۔ (الافاضاۃ الیومیہ صفحہ ۱۳۶۔جلد ۹)

ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آیا، بزرگ کو فراست سے اندازہ ہوا کہ اس شخص کے قلب میں دولت سے محبت ہے۔ دریافت فرمایا، تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ عرض کیا سو دینار ہیں۔ فرمایا، ان کو پھینک کر آؤ، وہ چلنے لگا تو بزرگ نے بلایا اور

پوچھا کہ کیا کروگے، عرض کیا، کسی کو دیدوں گا، فرمایا نہیں۔ اس سے تو نفس کو لذت حاصل ہوگی کہ ہم نے دوسرے کو نفع پہنچایا۔ یہ پیسے دریا میں ڈال کر آنا، وہ چلنے لگا۔ پھر بلایا اور پوچھا کس طرح ڈالو گے، عرض کیا، ایک دم پھینک آؤں گا، فرمایا نہیں، ایک دینار روزانہ ڈالنا، شیخ کا مطلب یہ تھا کہ روزانہ نفس پر آرا چلے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تو مال کا ضیاع ہے۔ میں نے کہا، مال کا ضیاع اسے کہتے ہیں، جہاں کوئی نفع نہ ہو۔ یہاں تو نفع ہے، جو شیخ نے تجویز کیا۔ مصلح اور صوفی مجتہد اور حکیم ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ایک نور عطا فرماتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی نظر میں حقیقت آجاتی ہے۔ (صفحہ ۶۱ جلد ۵)

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں ملازم پیشہ شخص ہوں، تنخواہ بھی کافی ہے، لیکن اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ ترقی ہو اور اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر دنیا سے محبت کا مرض ہے، لہٰذا میرے اس مرض کا علاج کیا جائے۔ ان کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطنی مرض کی حقیقت سے واقف نہیں۔ باطنی مرض کی تعریف یہ ہے کہ جو بات معصیت (گناہ) ہو، وہ مرض ہے۔ جو معصیت نہیں، وہ مرض نہیں۔ اب مثلاً حب دنیا (دنیا کی محبت) کو جو مرض کہا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حُب دنیا کی ہر قسم مرض ہے۔ بلکہ حُب دنیا کی وہ قسم معصیت ہے، جس میں دنیا اور مال کے حصول کے لیے حرام وحلال کی تمیز باقی نہ رہے، اسی طرح حرص ہے کہ اس کو بھی مرض قرار دیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں اور نہ یہی معنی ہیں کہ ہر قسم کا حرص گناہ ہے۔ بلکہ کسی منکر اور خراب چیز کی حرص مرض ہے۔ اگر کسی جائز چیز کی حرص ہو تو وہ لغت کے اعتبار سے تو حرص ہوگی، مگر اس قسم کی حرص باطنی امراض میں شمار نہ ہوگی۔ (الافاضاۃ الیومیہ صفحہ ۱۴۳۔جلد ۹)

دولت کے بارے میں
معاشرے میں موجود چار میلانات ورجحانات

دولت کے بارے میں معاشرے میں عام طور پر چار قسم کے رویے پائے جاتے ہیں۔ ایک خالص دنیادار قسم کے لوگوں کا رویہ ہے، جس میں صنعتکار، تاجر، آفیسر، اقتدار سے وابستہ طبقات وغیرہ سب شامل ہیں۔ دوسرا رویہ ان افراد کا ہے، جو متوسط

طبقات سے تعلق رکھتے ہیں، جو زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی جدوجہد کے لئے کوشاں ہیں، یہ طبقہ مالدار سے مالدار بننے کی آرزوں میں جیتا ہے اور سرمائیداروں اور صاحبانِ اقتدار کی مسرفانہ زندگی اس کے لئے آئیڈیل حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا ہدف اسی طرح کی زندگی ہے، جس میں ہرطرح کی عیاشیاں ہوں، بڑے بڑے کشادہ بنگلے ہوں، کروڑوں روپے سے زائد بنک بیلنس ہوں، نوکروں اور خادموں کی فوج ظفر موج ہو۔ تیسرا عام لوگوں سے وابستہ طبقہ ہے۔ جو عام طور پر نانِ شبینہ کا محتاج ہے، ساری توانائیاں صرف کرنے کے باوجود ان کے لئے بنیادی ضروریات کا حصول دشوار تر ہوگیا ہے۔

چوتھا طبقہ راہ محبت سے وابستہ افراد کا ہے۔ یہ طبقہ بھی عام طور پر دنیا کی حسرتوں میں ہی رہتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اس طبقہ کو کچھ بہتر قلبی کیفیات حاصل ہیں۔ اس کی نظر میں یہ بہتر قلبی کیفیات ہی سب کچھ ہے، باقی دل کو دنیا کی محبت سے نکال کر، اسے خالص اللہ کی محبت سے سرشار کرنا، دنیا کے حوالے سے لوگوں سے امیدیں وابستہ نہ کرنا اور قناعت وسادگی اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور سامان دنیا اور جدید دور کی سہولتوں سے بے نیاز ہو کر، مختصر زندگی کو آخرت کی تیاری میں صرف کرنے کے داعیہ ہونا، اہل تصوف میں ایک نہایت ہی محدود طبقہ ہے، جو دنیا کے حوالے سے استغنا کی صفت سے بہرہ ور ہے، ورنہ عام طور پر اس طبقہ سے وابستہ افراد بھی جائداد، املاک اور بینک بیلنس کی حسرتوں میں رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بالخصوص پیر صاحبان کی اکثریت کی حالت تو قابل رحم ہے۔ ان کی پیری مریدی دولت کے حصول ہی کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ البتہ ذکروفکر کے غیرمعمولی مجاہدوں کے حامل سالکین، ملعون دنیا کی حسرتوں سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرت ذکر کی سعادت عطا فرما کر، انہیں آخرت کی نعمتوں کے لئے مخصوص کیا ہوا ہے، وہ دل کو بڑی حد تک دنیا کی محبت سے نکال چکے ہیں اور انہیں دنیا کی رونق، دنیا کی چکا چوند اور جدید نوعیت کی بہترین گاڑیاں اور بڑے بڑے خوبصورت بنگلے اور تعیش کا نیا نیا سامان متاثر کرنے میں ناکام ہے، یہی افراد معاشرہ کا کریم ہے۔

اور انہی کی پاکیزہ زندگی سے ہی معاشرہ میں اب تک خیرموجود ہے اور مادیت کے ہمہ گیر اثرات سے معاشرہ پوری طرح تباہی سے بچا ہوا ہے۔

دور جدید کے مالداروں کا سیاہ کردار

دنیا سے محبت کرنا، دنیا کی ہڈیوں پر ایک دوسرے سے لڑتے رہنا، دولت ودرہم کی خاطر معاشرہ کو فساد سے آلودہ کرنا، سیاست، اقتدار، تجارت اور زندگی کے سارے شعبوں کو تباہی سے دوچار کرنا، عام لوگوں کی زندگیوں میں زہر گھولنا، ان کے لئے زندگی کو اجیرن بنادینا، انہیں روٹی تک کا محتاج بنانا، یہ دور جدید کے مالداروں کا ایسا سیاہ کردار ہے، جو انسانیت کے لئے بدنما داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مالداروں میں موجود فساد

اہم شخصیتوں کا تجزیہ

مالداروں کی اسی ذہنیت اور مزاجی ونفسیاتی سانچہ کو دیکھکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مالدار کا خدا کی خدائی میں داخل ہونا ایسا ہے، جیسا سوئی کے سوراخ میں اونٹ کا داخل ہونا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب میں ہے کہ اپنی دولت کا ذکر یوگی سے بھی نہ کرنا، اس لئے کہ دولت کا سن کر اس کا منہ پانی پانی ہوجائے گا۔ جدید سرمائیداری نظام کے بانی آدم سمتھ نے کہا تھا کہ سرمائیداروں کی خالص نجی اور معاشرتی نوعیت کی نشستیں یعنی شادی بیاہ کی تقریبات (میں شرکت) بھی عام لوگوں کے خلاف سازشوں کی گفتگو میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔

مشہور ماہر نفسیات کارلائل کا کہنا ہے کہ انسان کی نفسیاتی اور مزاجی ساخت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اگر ایک عام فرد موچی تک کو آدھی دنیا کا خزانہ مل جائے تو وہ اس خزانہ پر قانع نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنی ساری زندگی آدھے خزانہ کے مالک افراد سے خزانہ چھیننے کی کی کاوشوں میں بسر کرے گا۔

کچھ اہم معروضات

مذکورہ طبقات میں دولت سے کھیلنے والے سرمائیداروں، صنعتکاروں اور کروڑ پتی افرادکو چھوڑ کر باقی طبقات سے ہم کچھ معروضات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مالداروں کے اعلیٰ طبقہ کے ضمیر کو دستک دینا لاحاصل ہے، اس لئے کہ یہ طبقہ انسان آزاری اور دولت سے محبت کے معاملہ میں اتنا آگے جا چکا ہے کہ وہ سنگ دلی اور قساوت قلبی کی ساری حدود پھلانگ چکا ہے۔ ان پر کوئی بات اثر انداز ہو سکے، مشکل تر ہے۔

عام لوگوں کے علاوہ باقی طبقات سے ہم یہ کہیں گے کہ وہ دولت ودنیا کے حوالے سے خود احتسابی سے کام لیں۔ بعض اکابر بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہمیں دنیا بھر کی دولت مفت میں بھی دی جائے تو ہم اسے قبول نہ کریں گے، دولت کے دوسرے مضرات تو اپنی جگہ، لیکن ہماری نظر میں اس کے نقصان کا یہی پہلو کوئی کم اہم نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، جو چیز اللہ سے غافل کرے، وہ ملعون ہی شمار ہوگی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے، وہ سب ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے۔

ان طبقات سے ہمارا کہنا یہ ہے کہ اتنی دولت کا حاصل ہونا، جس سے دوسروں کی محتاجی سے بچا جا سکے اور کم سے کم ضروریات زندگی کی تکمیل کی صورت پیدا ہو سکے، وہ تو ضروری ہے۔ اس حد تک دولت کے حصول کے لئے کاوشیں کرنا، دینی اعتبار سے بھی ایک فریضہ ہے، لیکن گھر کو جدید نوعیت کے غیرضروری سامان سے بھرنا، بڑی خوبصورت اور آسائشوں کی حامل گاڑیاں رکھنا، گھر میں بہترین فرنیچر کا اہتمام ہونا، بچوں کی شادیوں پر لاکھوں روپے خرچ کرنا، سادہ سے مکان کی بجائے زیادہ، بڑے، وسیع اور کشادہ بنگلے کا حاصل ہونا، خادموں اور نوکروں کا خصوصی اہتمام کرنا، کھانے پینے میں تعیش کے مظاہرہ کا ہونا اور روزانہ کے کھانے کے اخراجات کو ہزاروں روپے تک پہنچانا، گھر کے ہر کمرہ میں بہتر سے بہتر فرج رکھنا، ان ساری چیزوں کا تعلق بنیادی

ضروریات سے نہیں، بلکہ مسرفانہ زندگی سے ہے۔

ایسا معاشرہ جہاں کروڑوں افراد روٹی، اور علاج معالج سے قاصر ہوں، وہاں اس طرح کی غیرضروری اور آسائش کی چیزوں کا اہتمام ہونا، اللہ سے محبت کے تقاضوں کے منافی ہے۔ حضورﷺ کا یہ فرمان کہ خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص کامل مؤمن ہونہیں سکتا، جب تک وہ دوسرے مومن بھائی کے لئے وہ کچھ نہ چاہے، جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے، اس طرح کی احادیث ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اس معاملہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں کا حصول، معاشی جدوجہد میں غیرمعمولی انہماک اور بہت زیادہ وقت دیئے بغیر ممکن نہیں۔ جب کہ زندگی کی جو مہلت ہمیں حاصل ہوئی ہے اور جو قیمتی وقت ملا ہے، وہ آخرت کی دائمی زندگی کی تیاری اور وہاں کی نعمتوں سے بہرہ وری کی جدوجہد کے لئے ملا ہے۔ وقت وہ عظیم سرمایہ ہے، جس سے آخرت کی دائمی زندگی برباد بھی ہوسکتی ہے تو وہ کامیابی سے سرفراز بھی۔ وقت کے اس قیمتی سرمایہ کا دنیا کے تعیش کے سامان اور ناپائیدار چیزوں میں استعمال نہ تو دانشمندی ہے اور نہ ہی وقت کا صحیح استعمال ہے۔

چند دن کی زندگی کی دنیاوی سہولتوں اور آسائشوں کی قربانی دے کر، ہم اگر ابدی زندگی کی لازوال نعمتوں سے بہرہ ور ہوسکیں تو اس سے بڑھ کر کامیاب سودہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

یہ خود احتسابی وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے اور اس کی روزانہ کی بنیادوں پر ضرورت ہے۔ ہر روز کچھ وقت نکال کر یہ احتساب کرنا چاہئے اور اندر میں ڈوب کر اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔

اس معاملہ کا تیسرا یہ پہلو ہے کہ جدید دور کی ساری آسائشوں اور سہولتوں سے متمتع ہونے اور ایجاد ہونے والی نئی نئی چیزوں سے گھروں کو بھرنے کی نفسیات ایسی ہے، جس کی تکمیل جائز آمدنی سے ہونا دشوار تر ہے۔ اس کے لئے عام طور پر رشوت، لوٹ مار، ملاوٹ، حق تلفی، اشیاء کی قیمتیں بڑھانے، جعل سازی، فیسوں کی رقم میں اضافہ کرنے اور مکر وفریب سے کام لینا پڑتا ہے، مکروفریب کی قیمت پر حاصل ہونے

والا سامان تعیش، وہ دراصل سامان تعیش نہیں، بلکہ سامان زحمت ہوتا ہے۔ اس طرح کی آمدنی سے حاصل ہونے والے سامان تعیش میں ہزارہا بے کس، مظلوم اور غریب لوگوں کی آہیں اور بدعائیں شامل ہوتی ہے، جن کے خون پسینے کی کمائی کو جعل سازی اور لوٹ مار کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

اس معاملہ کا چوتھا پہلو بھی ہے (جو نہایت اہم ہے) جس پر مذکورہ طبقات کو دل کی گہرائیوں سے غور کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ناجائز ذرائع یا ساری توانائیاں صرف کرکے حاصل ہونے والی دولت، فرد وافراد کے لئے سکون وخوشی کی بجائے غیرمعمولی ذہنی دباؤ، بے آرامی، ذہنی ونفسیاتی بیماریوں، اشتعال، جھنجھلاہٹ اور دیگر بہت ساری جسمانی اور روحانی بیماریوں کا ذریعہ بن جاتی ہے، جس سکون اور طمانیت کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، اگر وہ سکون ہی سلب ہوجائے، نیند ہی حرام ہوجائے تو آخر ایسی دولت کس کام کی۔

یاد رکھنا چاہے کہ حب دنیا ایک میٹھا زہر ہے۔ جو فرد وافراد کے جسمانی نظام کو اندر سے کھوکھلا کرکے اسے تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔

مغرب کے جدید انسان نے انسانیت پر جو سب سے بڑا ظلم کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے قدرت کی دی ہوئی ساری صلاحیتوں اور ساری توانائیوں کو مادی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے، زندگی کو مادی طور پر خوبصورت بنانے کے لئے ہزارہا نئی چیزیں ایجاد کی ہیں۔ اور دنیا کے ہر فرد کو ان چیزوں پر دلدادہ بنانے کے لئے تیز ترالیکٹرانک میڈیا کو استعمال کیا ہے۔ مغرب کے بدقسمت مادہ پرست انسان کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ نفس کی مادی قوت کے جذبات کو متشعل کرنے اور اس کے جذبات کو آخری حد تک ابھارنے کا نتیجہ دل اور روح کی بے قراری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس سے انسانیت درندوں وحیوانوں سے زیادہ خونخوار بن جاتی ہے اور انسانی معاشرہ حیوانیت کا بدترین منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ جدید سامان تعیش کے چیزوں نے مسلم معاشرے کو بھی مادیت پرستی کی دوڑ میں اہل مغرب کی نقالی میں اس کی تقلید کی راہ پر لگا دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مادیت پرستی کے دلدل سے نکلنے کی صورت کیا

ہے۔ اس کی بہتر صورت تو یہ ہے کہ معاشرہ سے ایک ایسی طاقتور لہر پیدا ہو، جو ہر شعبہ زندگی کے افراد کو بدلنے کے لئے کوشاں ہو اور افراد کو ایسا ماحول فراہم کرے، جس کی بدولت افراد کی ایمانی اور روحانی تربیت کا بہتر سے بہتر نظام ہو، لیکن جب تک اس طرح کا کوئی مربوط نظام متشکل ہو سکے، تب تک اللہ کے ہاں اپنے آپ کو بچانے کی طلب رکھنے والے افراد کے لئے جو لائحہ عمل ہو، وہ درج ذیل ہوسکتا ہے۔

دولت، دنیا اور دین کے درمیاں اعتدال پیدا کرنے کی بہتر صورت وہی ہے، جسے شاہ ولی اللہؒ نے پیش کیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، وقت کا استعمال اس طرح ہونا چاہئے آٹھ گھنٹے معاشی سرگرمیوں کے لئے، آٹھ گھنٹے عبادت کے لئے اور آٹھ گھنٹے آرام کے لئے۔

آٹھ گھنٹے کی جدوجہد سے جو دنیا بھی حاصل ہو سکے، اس پر اکتفا کی جائے اور آٹھ گھنٹے عبادت میں صرف کئے جائیں۔ اس سے دل وروح طاقتور ہوکر نفس اور نفسی قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس طرح مختصر زندگی اور اس کی بیشتر توانائیاں مادی جدوجہد میں ضایع ہونے سے بچنے کی صورت پیدا ہوگی۔

حب مال کے اثرات کچھ اہم واقعات

آخر میں حب مال کے کچھ واقعات دیئے جاتے ہیں۔ شاید یہ واقعات ہمارے لئے عبرت کا باعث بن سکیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں تھانہ بھون کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک صاحب میاں جی نام سے مشہور تھے، وہ یہاں رہتے تھے۔ اولاد وغیرہ نہیں تھی۔ انہیں پیسوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ انہوں نے زندگی بھر کی محنت سے کچھ پیسے جمع کئے تھے۔ وہ پیسے اپنے کمرہ میں چار پائی کے نزدیک زمین میں کھود کر رکھے تھے، رات کو سونے سے پہلے وہ پیسوں کی تھیلی کو نکال کر دیکھتے تھے، جس سے انہیں تسکین ملتی تھی، آہستہ آہستہ ان کے ان پیسوں کے اطلاع تھانہ بھون کے کچھ نوجوانوں کو ہوئی، نوجوان اس ٹوہ میں رہے کہ میاں جی کہیں نکل جائیں تو وہ

پیسے اٹھا لیں۔ ایک دن میاں جی کسی کام سے چلے گئے۔ نوجوانوں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور اس رقم کا بیشتر حصہ چرالیا۔ ان پیسوں سے انہوں نے تھانہ بھون کے معززوں کی پُرتکلف دعوت کی، شام تک میاں جی بھی واپس آ گئے تھے، اس کو دعوت میں شریک کر لیا، حافظ میاں نے ان سے کہا کہ نوجوانو، تم نے تو بہت خوب دعوت کی ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ دعوت کے لئے رقم کہاں سے لائے، نوجوانوں نے کہا کہ یہ آپ کا فیض ہے، جس سے ان کے دل میں تہلکہ مچنا شروع ہوا۔ انہوں نے دوبارہ ان سے پوچھا، نوجوانوں نے پھر یہی جواب دیا۔ اس جواب کے بعد کھانا اس سے کھایا نہ جا سکا اور فورا اپنے گھر گئے اور زیر زمین ہاتھ ڈالکر پیسوں کی تھیلی نکال لی، دیکھا تو زیادہ رقم غائب تھی، جس سے اسے غیرمعمولی صدمہ ہوا، یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ مر گئے۔

نماز جنازہ پڑھکران کی تدفین کرنے لگے تو شہر کے مولوی صاحب نے کہا کہ ان کے پیسے ملعون ہیں، انہیں ان کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ چنانچہ ان کے سرہانے ہی یہ پیسے بھی رکھ دیئے گئے، اگلی رات کو انہی نوجوانوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی قبر کھود کر وہاں سے پیسے لے لیں گے۔ جب ایک نوجوان نے پیسوں کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا اور پیسوں کو چھوا تو ان کا ہاتھ آگ سے جھلس گیا۔ یعنی وہ پیسے آگ کی صورت بن چکے تھے۔ وہ نوجوان زندگی بھر اس آگ کی تکلیف میں مبتلا رہے۔

دوسرا واقعہ بھی مولانا کی مواعظ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

ایک جعلی پیر اپنے قصبہ سے دور ایک قصبہ میں آئے ، وہاں انہوں نے لوگوں پر اپنی بزرگی کا نقش بٹھانے کی کوشش کی۔ علاقہ کا زمیندار اس کا مرید ہوا۔ چند ہفتوں کے قیام کے بعد جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو زمیندار صاحب نے خدمت میں بڑے نذرانے پیش کئے اور انہوں نے ان کو اپنا پورا پتہ بھی سمجھایا کہ وہ وہاں ضرور آئیں۔ کچھ دنوں کے بعد زمیندار صاحب اپنے پیر صاحب کی زیارت کے لئے ان کے ہاں چلے گئے۔ اسٹیشن پر اترتے ہی انہوں نے لوگوں سے اپنے پیر کا پتہ معلوم کیا، لوگوں نے کہا کہ وہ پیر کہاں ہے وہ تو جعل ساز شخص ہے۔ وہ لوگوں کی یہ بات

سن کر لاحول پڑھتے رہے۔ ایک صاحب نے انہیں پیر صاحب کے گھر تک پہنچایا۔ پیر صاحب نے بڑی آؤ بھگت کی، زمیندار صاحب کا وہاں دو تین قیام رہا۔ پیر صاحب نے اندازہ لگایا کہ زمیندار صاحب کے جیب میں کافی رقم موجود ہے، رخصتی کے وقت پیر صاحب نے ان سے کہا کہ میں خود آپ کو اسٹیشن پر چھوڑ آتا ہوں، زمیندار صاحب نے کہا کہ آپ کے زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پیر صاحب نہیں مانے، پیر صاحب نے اپنے بھائی کو بھی ہمراہ کیا اور انہیں شہر کے باہر کے راستے پر لے جانے لگے، انہوں نے کہا کہ اسٹیشن کا راستہ تو دوسرا تھا، جس راستہ سے میں آیا تھا، پیر صاحب نے کہا کہ میں آپ کو مختصر راستہ سے اسٹیشن چھوڑتا ہوں، اس طرح پیر صاحب انہیں جنگل میں لے گئے اور انہیں کلہاڑی دکھا کر کہا کہ جتنے بھی پیسے ہیں دیدو، ورنہ مار دوں گا۔ زمیندار نے سارے پیسے حوالے کئے، اس کے بعد پیر صاحب نے سوچا کہ اب نواب صاحب واپس جائیں گے تو لوگوں کے سامنے میرا سارا کچا چٹھ کھول دیں گے، اس لئے ان سے کہا کہ موت کے لئے تیار ہوجاؤ، نواب صاحب نے کہا کہ آپ مجھ پر رحم کریں، مجھے ماریں نہیں، میں گھر جا کر ڈھیر ساری رقم آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ پیر صاحب نے کہا کہ نہیں۔ اب تم وہاں جاکر میرا راز افشاں کروگے، یہ کہکر پیر صاحب نے کلہاڑیوں کے پے درپے وار کرکے اسے قتل کر دیا۔ اور ایک پرانے خشک کوئیں میں اس کی لاش پھینک دی، کچھ دنوں کے بعد وہاں سے کچھ افراد گزرے تو انہوں نے لاش دیکھی، لاش کو کوئیں سے باہر نکالا۔ جیب میں کاغذات تھے، ان سے ان کا نام اور قصبہ کا نام معلوم ہوا۔ معاملہ پولیس تک پہنچا، اس علاقہ کی پولیس بھی آ گئی، تحقیقات کے بعد پیر صاحب پکڑے گئے، مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی کی سزا ملی۔

ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

یہ روزنامہ جنگ میں نظر سے گذرا تھا۔

ہندستان کے کسی علاقہ میں ایک نواب صاحب تھے، جنہیں اولاد نہیں تھی، وہ عمر رسیدہ ہوگئے، متعدد بیماریوں نے بھی گھیر لیا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص میرے مرنے کے بعد ۲۴ گھنٹے کے لئے میرے ساتھ قبر میں رہے۔ میں اپنی ساری

دولت ان کے نام وقف کردوں گا۔ ایک موچی نے جس کی یومیہ کل آمدنی آٹھ آنہ تھی، اس نے نواب صاحب کے ساتھ قبر میں رہنے کا اعلان کیا۔ چند دنوں کے بعد نواب صاحب مرگئے، انہیں قبر میں دفن کرنے کے ساتھ ساتھ موچی صاحب کے لئے قبر بنائی گئی۔ اور ہوا کے لئے قبر سے سوراخ دیا گیا۔ وقت معینہ کے موقعہ پر لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا۔ قبر کھود کر اسے نکالا گیا۔ لوگوں نے اسے بڑی داد دی کہ اتنی بڑی دولت تمہیں مبارک ہو، موچی نے کہا کہ مجھے دولت نہیں چاہئے، اس لئے کہ میں آٹھ آنے کی کمائی کا حساب نہیں دے پایا تو اتنی بڑی دولت کا حساب کیسے دوں گا۔

یہ تین واقعات ایسے ہیں جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

نفس کے خلاف اس جدوجہد میں کامیابی (کہ وہ دنیا میں ساری توانائیاں صرف نہ کرے) کی دوصورتیں ہیں۔ ایک اہل اللہ کی صحبت کا مسلسل اہتمام ہے۔ دوسرا ذکر وفکر کے ملکہ کا استحکام ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ کسی شخص کو دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی کی صفتیں عطا کی گئی ہیں تو اس کی صحبت اختیا کرو، اس لئے کہ اسے حکمت عطا کردی جاتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ علمائے ربانی کی صحبت اختیار کرو، اور اہل حکمت کی گفتگو سنتے رہو، اس لئے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو حکمت کے نور سے اس طرح زندہ کرتا ہے، جس طرح مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں، جس پر دین کا مدار ہے اور جس سے تم دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ ضرور بتائیں آپ نے فرمایا، ایک اہل ذکر کی مجلس میں شرکت کا اہتمام، دوسرے تنہائی میں ذکر کرتے رہنا۔

صحبت کے ساتھ ساتھ ذکر کے سلسلہ میں تو قرآن شریف کی بہت ساری آیتیں ہیں، ذکر کو احادیث میں زندگی قرار دیا گیا ہے اور ذکر سے محرومی کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خود نمائی کا بت

اور اس کی مختلف صورتیں

ایک بڑا بت، جس کی پرستش میں ہم میں سے تقریبا ہر فرد کسی نہ کسی حد تک مصروف رہتا ہے، بالخصوص معاشرے کے مؤثر طبقات اور علم ودانش سے متعلق افراد اس بت کی پرستش میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، وہ خود نمائی، خود ثنائی، نام ونمود، اور شہرت اور ریا کا بت ہے۔

اس بت کی پرستش کے لئے عام طور پر ایسے ذرائع اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، جس سے اس بت کی پرستش کا تاثر بھی نہ ابھرے اور لوگوں میں یہ بات ظاہر بھی نہ ہو، ساتھ ساتھ لوگوں کی طرف سے داد ملنا شروع ہوجائے، یا ان کی نظروں میں اپنی شخصیت کا وقار قائم رہ سکے اور توقیر وتعظیم ہونے لگے۔

بڑے بڑے دانشوروں، عالموں، محققوں اور کسی بھی محاذ پر خدمات سرانجام دینے والی شخصیتوں کے حالات کا گہرا جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی خدمات اور کاموں کے پس پردہ عام طور پر داد وریا اور خود نمائی کا جذبہ ہی کارفرما رہا ہے۔

ریا اور خود نمائی والا کردار

اور اس کی کچھ علامتیں

ریا اور خود نمائی کی بعض علامتیں یہ ہیں۔

اپنے علم، اپنی دانش، اپنی تقاریر، اپنی ذہانت، اپنی تحریروں، اپنے پیش کردہ نکات، اپنے بیانات وغیرہ پر داد وستائش کی آرزوؤں کا غالب ہونا، بالخصوص اس طرح کے ہر موقعہ پر اپنے خاص دوستوں سے تعریف وتحسین کی امید رکھنا، اگر تعریف نہ ہو تو دوستوں وساتھیوں سے ناراضگیٔ خاطر کا ہونا، اخبارات، رسائل اور میڈیا میں اپنے بیانات، مضامین اور اپنے خطوط شائع ہونے یا کم از کم نام کی اشاعت کا طلبگار ہونا،

اپنے عقیدتمندوں سے اپنی تعریف کروانے اور اپنی شہرت کے لئے خصوصی اہتمام اور کاوش کا ہونا، لباس کی تراش خراش اور اپنی شخصیت کی ظاہری چمک دمک، چہرے کی خوبصورتی میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنا، اور اس کے لئے زیادہ فکر مند ہونا، تاکہ لوگوں کی نظر میں اس کے لئے حسن وجمال کی صاحب شخصیت کا امیج ابھر سکے۔ دین کے ایسے کاموں سے زیادہ دلچسپی کا ہونا، جس سے اس کی بزرگی، نیکو کاری اور خادم دین اور داعی ہونے کی حیثیت ابھر سکے، لوگوں کے سامنے نماز اور ذکر واذکار کا زیادہ اہتمام کرنا، جب کہ تنہائی میں عبادت اور ذکر واذکار سے طبعی مناسبت کا نہ ہونا، مدارس ومساجد اور غریبوں کی امداد کے کاموں میں اس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لینا کہ نیکی کے ان کاموں میں اس کے سرپرست ہونے کا تاثر پیدا ہو سکے، غلبہ دین کے ایسے کاموں میں زیادہ دلچسپی رکھنا، جس سے شہرت اور ناموری ہو، محلّہ سے لے کر شہر اور صوبہ اور ملک کی سطح پر قائم انجمنوں، اداروں، اور تنظیموں میں قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہونے کے لئے کوشاں ہونا، اداروں، تنظیموں اور درسگاہوں کی طرف سے تعارف وپبلسٹی پر زیادہ زور ہونا، جب کہ حقیقی کارکردگی نہ ہونے کے برابر ہو، جہاد جیسے کاموں میں بھی اپنی شہرت اور داد وستائش کی امید رکھنا، مقرروں، خطیبوں اور تصنیف وتالیف کے صاحبوں کی طرف سے اپنی شخصیت کے بت کو نہایت خوبصورتی سے سامنے لانے کی کاوش کا ہونا، اپنے علم اور تقویٰ سے زیادہ اپنی حیثیت کو جتانا اور اسے اجاگر کرنا۔

غرض کہ اس طرح کے بہت سارے کام ہیں، جو خودنمائی، جذبہ شہرت اور ریا کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں، المناک بات یہ ہے کہ ساری زندگی ریا جیسے بت میں صرف ہوجانے کے باوجود اس کے ادراک سے محرومی ہوتی ہے۔

ریا اور داد وتحسین
قرآن کی نظر میں

ریا اور خودنمائی کے لئے قرآن واحادیث میں سخت انتباہات دیئے گئے ہیں۔

قرآن کی کچھ آیات اور احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن نے اہل کتاب کی نفسیات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اَتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَواْ وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُواْ بِمَا لَمْ يَفْعَلُواْ فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَاب.

(جو لوگ اپنے کاموں سے خوش ہوتے ہیں، اور جو اچھے کام کرتے نہیں۔ اپنے (ان ناکردہ) کاموں کے بارے میں چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچا لئے جائیں گے)۔

منافقین کے بارے میں ہے۔

وَإِذَا قَامُواْ إِلَى الصَّلاَةِ قَامُواْ كُسَالَى يُرَآؤُونَ النَّاسَ وَلاَ يَذْكُرُونَ اللّهَ إِلاَّ قَلِيْلاً. (النساء آیت ۱۴۲)

(اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم)۔

سورۃ الماعون میں ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَن صَلاَتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُونَ.

(سو ایسے نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں اور ریا کاری کرتے ہیں)۔

قرآن میں دکھائے کے لئے مال خرچ کرنے والے کے بارے میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأَذَى كَالَّذِىْ يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاء النَّاس. (البقر آیت ۲۶۴)

اے ایمان والو، تم احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کی خاطر۔

داد وستائش

احادیث کی نظر میں

ریا اور جذبہ شہرت کی ہلاکت خیزیوں اور اعمال کے غارت ہوجانے کے بارے میں احادیث میں بھی انتباہات دیئے گئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس سلسلہ کی کچھ احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور ریا کے مقابل جذبہ اخلاص وللھیت کی اہمیت کے بارے میں بھی احادیث نقل کرتے ہیں۔

ذیل کی احادیث امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم سے ماخوذ ہیں۔ جو حدیث کی مختلف کتابوں میں بھی نظر سے گزری ہیں۔

آں حضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ایسا کوئی عمل قبول نہیں کرتا، جس میں ذرہ بھی ریا ہو۔

آپ نے ﷺ نے فرمایا معمولی ریا بھی شرک ہے۔

فرمایا، خفیہ عمل ظاہری عمل سے ستر گنا زیادہ افضل ہے۔

فرمایا: خفیہ عمل کا ثواب اعلانیہ عمل کے مقابلہ میں ستر گنا زیادہ ہے اور اعلانیہ عمل کا ثواب اگر دوسرے لوگ اس عمل کی اقتدا کریں تو خفیہ عمل کے مقابلہ میں ستر گنا زیادہ ہے۔

ابو عبدالرحمٰن ابن سیرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، ابو عبدالرحمٰن، امارت مت طلب کرنا، اگر تجھے بغیر مانگے امارت ملی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی اور مانگنے سے حاصل ہوئی تو تجھے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے علم کو غیر خدا کے لئے حاصل کیا، جس نے علم کے ذریعہ غیر خدا کی رضا جوئی کا ارادہ کیا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علم اس غرض کے لئے حاصل کیا کہ اہل علم کے درمیاں فخر وعزت حاصل کرے اور بے علموں

کا ناطقہ بند کرے اور لوگوں میں نام ونمود حاصل کرے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔

حضرت عمرؓ نے ابی ابن کعب کو محض اس بات پر زدوکوپ کیا کہ ان کی قوم کے کچھ لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، حالانکہ ان کے بارے میں وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ابی مسلمانوں کے سردار ہیں۔ وہ لوگوں کو کلام پاک سنایا کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ان کے پیچھے پیچھے چلتے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا اس میں متبوع پر فتنہ کا خوف ہے اور تابع کے لئے ذلت کا باعث ہے۔ (احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۴۸۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا فرمان ہے کہ جب تم کسی دوزخی کو دیکھنا چاہو تو ایسے شخص کو دیکھو جس کے اردگرد لوگوں کا ہجوم دست بست کھڑا ہو۔ (احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۲۵۳)

آنحضور ﷺ نے فرمایا، تم امارت کی حرص کرتے ہو، حالانکہ وہ قیامت کے روز ندامت وحسرت کا باعث ہوگی۔ الا یہ کہ کوئی شخص اسے حق کے طور پر اختیار کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی، اس نے گویا شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی، اس نے بھی شرک کیا۔

اب کچھ احادیث امام نووی رحمتہ اللہ کی کتاب اربعین نووی سے نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اخلاص۔

۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں، جب حضور ﷺ نے مجھے یمن کا حاکم مقرر کرکے بھیجا تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنے دین میں اخلاص پیدا کر، تمہارے لیے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔''

۳۔ حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے، اہل اخلاص کے لیے خوشخبری ہے، وہ ہدایت کے مشعل ہیں۔ ان سے (ہر تاریکی) ہر فتنہ دور ہوجاتا

ہے۔

۴۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں، میں نے اپنے آپ کو کچھ صحابیوں سے بہتر سمجھا (جو مجھ سے کمزور تھے) اس پر رسول ﷺ نے فرمایا، خدا اس امت کی مدد ان کے ضعیفوں کی دعاؤں، ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کرتا ہے۔

۵۔ حضرت ابو اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شخص جہاد کرتا ہے۔ لیکن وہ ثواب اور شہرت دونوں چاہتا ہے، اس کے لیے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، کچھ بھی نہیں، اس شخص نے تین بار یہی سوال دہرایا، آپ ﷺ نے ہر بار یہی جواب دہرایا اور پھر فرمایا۔ بے شک اللہ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے، جو خاص اس کے لیے ہو اور اس سے خدا کی رضا مقصود ہو۔

۶۔ حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے، سوائے اس چیز کے، جس کا مقصود اللہ کی ذات ہو۔

۷۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ شرک اصغر کا خوف ہے، صحابہ نے عرض کیا، شرک اصغر کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''ریا''۔ (ماخوذ امام نووی کی کتاب اربعین نووی)

حضرت امام شعرانی ؒ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں نفسی خرابیوں کے سلسلہ میں زبور کی تنبیہات پیش کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے داؤد اپنے باطن کو پاک کر، کیونکہ ظاہری پاکیزگی میرے نزدیک تجھے کچھ فائدہ نہ دے گی۔

اے داؤد، جو میری خوشنودگی کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے علم حاصل کرے گا، میں اسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔

اے داؤد، گریہ وزاری کرنے والوں کی صحبت اختیار کر اور بیہودہ لوگوں کو چھوڑ

دے اور بنی اسرائیل کے گنہگاروں سے کہدو کہ وہ میرے سوا میرے بندوں سے کیونکر شرم کھاتے ہیں، جب کہ میرا جلال ان کے جلال سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ میں ان سب کا سردار ہوں۔ (اولیاء اللہ کے اخلاق صفحہ ۔ ۱۸۸۔ تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ)

جذبہ خود نمائی

معاصر شخصیتوں سے کشمکش کا ختم ہونے والا سلسلہ

جذبہ شہرت اور جذبہ خود نمائی کا ایک بڑا نقصاندہ پہلو یہ ہے کہ اس سے فرد وافراد کی معاصر شخصیتوں سے کشمکش کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ خود نمائی کے آرزو مند شخص کو یہ غلط فہمی لاحق ہونے لگتی ہے کہ اس کی شہرت وناموری کی راہ میں فلاں فلاں مشہور شخصیتیں حائل ہیں۔ ان کی موجودگی میں اس کی شخصیت کا بت مستحکم نہیں ہوسکتا اور اسے مطلوبہ شہرت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس سلسلہ میں حضرت امام عبدالوھاب شعرانی کی تحریر کا زیر نظر حوالہ اہم نوعیت کا ہے:

درویش اس بات کا طالب نہیں ہوتا کہ (لوگوں میں) تنہا اسی کو شہرت حاصل ہو، اس لئے کہ اس میں بہت ساری آفتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کی ادنیٰ آفت یہ ہے کہ اس کے ہم عصروں میں جو اس سے شہرت میں بڑھ جائے گا، وہ اس سے کراہت کرے گا، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور صاحب تقویٰ ہی کیوں نہ ہو، مگر چونکہ اس کی شہرت سے اس کی شخصیت کو نقصان پہنچتا ہے، اس لئے اس کی چاہت یہی ہوتی ہے کہ اس کا نام مجھ سے بلند نہ ہو، گویا یہ شخص دوسرے کے خیر کا بدخواہ کا ہے اور بدخواہی کا طالب ہے۔ تاکہ وہ اس سے ممتاز ہو سکے۔ اس طرح سے یہ شخص ابلیس سے مشابہت پیدا کرلیتا ہے۔''

'آخر بندہ کا اس بات میں کیا نقصان ہے کہ امت کے سارے افراد، عارف، مربی اور صاحب تلقین بن جائیں، اس لئے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے بڑا شرف ہے، یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی امت میں اقطاب وابدال ہوتے ہیں۔ اگر یہ شخص خدا اور رسول کی محبت میں مخلص ہوتا تو مشائخ اور

اصحاب سلسلہ کی کثرت سے خوش ہوتا۔ کیونکہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ (آداب بندگی صفحہ ۲۵۵۔ ۲۵۶ تصنیف امام عبدالوھاب شعرانی، ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

حضور ﷺ نے فرمایا ریاکاروں سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جاؤ، جن کے لئے تم نے دنیا میں اعمال کئے تھے اگر ان کی پاس دینے کے لئے کچھ ہے تو ان سے لیلو۔

ریا
حضرت علی کرم اللہ کی نظر میں

ریا کار کی چار علامتیں ہیں۔

(۱) تنہائی میں نیک کام میں سستی کرتا ہے، لوگوں کے سامنے پوری چستی سے کام کرتا ہے (۲) جس کام پر لوگ تعریف کریں، اس کام کو زیادہ کرتا ہے (۳) جس عمل پر اس کی بُرائی کی جائے اس کو کم کردیتا ہے۔

امام غزالیؒ نے ریا کی مثال بادشاہ وقت کو مردہ گھوڑہ تحفہ پیش کرنے سے دی ہے۔ اس سے بادشاہ وقت خوش ہونے کے بجائے غصہ سے بھر جائے گا۔

ایک دانا کا مقولہ ہے کہ ریاکار کی مثال اس شخص کی سی ہے، جس نے اپنی تھیلی کو پیسوں کی بجائے کنکریوں سے بھر لیا ہو۔ اس کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، سوائے اس کے کہ لوگ اسے دیکھکر مالدار سمجھیں۔

واضح ہو کہ عمل میں اگر ریاکاری کا خطرہ موجود ہے تو انتہائی کوشش کرکے اسے دور کردے۔ اگر دور نہ ہو تو اس عمل کو ترک نہ کیا جائے، بلکہ استغفراللہ کرتے رہنا چاہئے۔ شاید اللہ تعالیٰ دوسرے عمل میں اخلاص پیدا کردے۔

داد وستائش کے بارے میں ابن جوزی کا بیان کردہ نکتہ

امام جوزی نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''صید الخاطر'' جس کا اردو ترجمہ ''نفیس پھول'' کے نام سے ہوا ہے۔ عمدہ بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''مجھے اس شخص پر تعجب ہے، جو لوگوں کے سامنے زہد کا تکلف دکھاتا ہے اور ان کے قلوب میں مقام قرب کی امید رکھتا ہے اور بھولا ہوا ہے کہ ان کے قلوب اس ذات کے قبضہ میں ہیں، جس کے لئے وہ عمل کرتا ہے۔ اگر اس کا عمل اسے پسند آ گیا اور خالص ہوا تو وہ ادھر سے قلوب کو ہٹا دے گا اور عامل جب قلوب کے میلان پر نظر کرتا ہے تو شرک کا اس کی نیت سے ٹکراؤ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اسے تو اسی کی نظر پر قناعت چاہئے تھی۔ جس کے لئے عمل کیا گیا ہے۔ اور اخلاص کے لوازمات میں سے یہ بات ہے کہ اپنی طرف قلوب کے التفات کا دھیان تک نہ ہو، تو یہ چیز اسے مل جائے گی، لیکن اسے مقصد بنا کے نہیں، بلکہ اس کی کراہت کے ذریعہ سے۔ انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے تمام اعمال کو مخلوق اجمالی طور پر جانتی ہے، گو اس پر وہ مطلع نہ ہوں، اس قلوب صالح شخص کے لئے اس کی نیکی کی شہادت دے دیتے ہیں، گو اس کا مشاہدہ نہ بھی کریں۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ مخلوق اس کے عمل کو دیکھ بھی لے تو عمل ضایع ہوگیا، اس لئے کہ یہ خالق کو مقبول ہے نہ خلق کو، اس لئے کہ ان کے قلوب اس سے پھر چکے ہیں اس کا عمل ضایع ہوگیا اور عمر ختم ہوگئی، ہمیں پوری سند کے ساتھ ابو سعیدؓ خدری کی حدیث پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اگر کوئی شخص کسی چٹان پر بیٹھا عمل کرتا ہے، جس کا کوئی دروازہ نہیں، نہ اس میں کوئی سوراخ ہے تو لوگوں تک اس کا عمل پہنچ کر رہے گا۔ خواہ کیسا ہی ہو۔'' (صفحہ ۳۴۱۔۳۴۲)

ریا کے بارے میں
حکیم الامت کی تحقیق

ریا کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں مفید عمدہ بحث کی ہے۔

''جس عبادت میں غرض مفاسد کی آمیزش ہو اور نیت درست نہ ہو ایسی عبادت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

اگر اہل علم اور اہل زہد اپنی حالت کا صحیح موازنہ کریں تو انہیں اپنے اعمال میں

زیادہ حصہ اغراض نفسانی کا محسوس ہوگا، مثلاً نفلی عبادت تلاوت قرآن وذکر ونوافل تہجد اور جو اعمال اخفا کے قابل ہیں، ان اعمال سے ہمارا جی چاہتا ہے کہ لوگوں کو ان کا علم حاصل ہوجائے اور ہم عابد وزاہد مشہور ہوں، مثلاً تہجد میں اگر فرد شب میں ایسے وقت اٹھا، جب کسی کو اس کے اٹھنے کی اطلاع نہ ہوئی، اور وہ تہجد پڑھکر سوگیا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسروں کو اطلاع ہو، بڑا فرق واقع ہوتا ہے۔ اطلاع ہونے پر خوشی ہوتی ہے اوراگر اطلاع نہ ہوتو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اطلاع ہوجائے اور ہم اس بات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کر رہا۔ اگر کسی طرف سے ذکر نہ ہوتو اس سے نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بیکار ہی ثابت ہوا۔ ہمارا یہ عمل اور دوسرے سارے اعمال کی حالت یہی ہے۔''

جاننا چاہئے کہ نیک عمل کے بارے میں دکھاوے سے جو خوشی محسوس ہوتی ہے، اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو طبعی نوعیت کی خوشی ہے کہ الحمدللہ اس شخص نے ہمیں اچھی حالت میں دیکھا، یہ خوشی ایسی ہے، جیسے لذیذ کھانا کھانے سے ہوتی ہے۔ طبیعت کا تقاضا ہے کہ اچھی چیز سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ یہ فرحت طبعی نوعیت کی ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں، اہل اخلاص کو ریا اور اس طرح کی خوشی میں فرق کرے میں سخت غلط فہمی ہوتی ہے اس لئے ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے بھی ضرورت ہے۔ وہ دن رات اسی غم گھلتے رہتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا، جس سے ہمیں خوشی محسوس ہوئی، یہ بھی ریا ہوگئی، حالانکہ یہ خوشی، طبعی نوعیت کی ہے، ریا نہیں، مگر وہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بیکار جانتے ہیں۔

اس طرح کے اخلاص کا انجام یہ ہوتا ہے کہ شیطان فرد کو بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کار آمد نہیں تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا۔ پس صاحب اخلاص مایوس ہوکر یہ عمل چھوڑ دیتا ہے کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص میں سعی کو ترک کردینا ہے۔
(دعوات عبدیت جلد اول صفحہ ۷۰۔۷۱)

شہرت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ذاتی کوشش وطلب سے شہرت حاصل ہو، یہ مضر ہے۔ دوم یہ کہ بلا کوشش کے حاصل ہو، وہ نعمت ہے، بلکہ اس غیر اختیاری

شہرت میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ شہرت گمنامی سے بھی افضل ہے۔ عموما اللہ کے بندے گمنام ہونا چاہتے ہیں، اور اپنے آپ کو مٹاتے اور فنا کرتے رہتے ہیں مگر نتیجۃً انہیں اور زیادہ شہرت حاصل ہوتی ہے۔ باقی فی نفسہ شہرت والے شخص پر مخلوق حسد کرنے لگتی ہے اور غصہ اور طعن بھی۔ گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے۔ جہاں تک ہو سکے، شہرت سے بچنے کی تدبیر کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر شہرت ہو تو ہونے دیں۔ (۲۵۶۔۸)

کسی مؤمن کو خوش کرنا، یہ بھی نیکی ہے۔ چاہے نیکی کی نیت نہ بھی ہو۔ اس کی تائید میں ایک حدیث موجود ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ایک بار آواز سے تلاوت کررہے تھے، آواز حضورﷺ تک پہنچ رہی تھی اور ان کو اس کا علم نہ تھا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کی خوش آوازی کی تعریف فرمائی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی خوش آوازی دی ہے، جیسی داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔

حضرت موسیٰؓ نے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورﷺ سن رہے ہیں تو میں مزید خوش آوازی سے پڑھتا۔ اس حدیث سے مجھے یہ مسئلہ سمجھ میں آیا کہ اگر دین کا کوئی کام مخلوق کی رضا کے لیے کیا جائے تو ایسا کرنا ہرحال میں ریا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے مخلوق کے ساتھ کا سبب کیا ہے۔ دین یا دنیا، اگر تعلق خالص دین کی وجہ سے ہے تو ریا نہیں، اگر دنیا کی وجہ سے ہے تو ریا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورﷺ کو خوش کرنا دین تھا، کیوں کہ حضورﷺ سے تعلق دین کی وجہ سے تھا۔ اس لیے حضورﷺ کو خوش کرنے کے لیے سنوار سنوار کر قرآن پڑھنا قرآن تھا۔ ریا نہ تھا۔

قاریوں کا، سامعین کی رضا کے لیے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا، اس کی حیثیت بھی یہی ہے، اگر اس سے مقصود مال وجاہ ہو کہ لوگ خوش ہوکر پیسہ دیں یا معتقد ہوجائیں تو یہ ریا ہے، اگر یہ جذبہ نہیں تو پھر دین کی خدمت ہے۔
(صفحہ ۲۴۔جلد ۱۰)

ریا سے ہونے والی خوشی کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ ہمارے نیک اعمال دیکھنے سے دوسروں کو بھی اس کی توفیق حاصل ہوگی اور اس کا ثواب ہمیں بھی حاصل ہوگا۔ یہ خوشی بھی ایسی ہے جو مذموم نہیں۔ مگر اس معاملہ میں مبتدی کو دھوکا ہوجاتا ہے وہ یہ کہ اس اظہار سے اس کے نفس میں اصل جذبہ تو یہی کارفرما ہوتا ہے کہ میری عزت بڑھے اور لوگ مجھے معظم سمجھیں، مگر ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ میں اپنی عبادت یا نیکی کا اس لئے ذکر کررہا ہوں تاکہ لوگ میری پیروی کریں۔ لہٰذا مبتدی کے لئے بہتر راہ یہی ہے کہ وہ اپنی نیکی کا اظہار نہ کرے۔ اگر صاحب کمال شخص جس کا نفس فنا ہوچکا ہے، وہ اگر اس نیت اس کا اظہار کرتا ہے تو اس کے لئے جواز موجود ہے اور اشاعت ثواب ہے۔

اس لئے بزرگوں کا قول ہے کہ **ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید** (یعنی شیخ کے ریا کا اظہار مرید کے اخلاص سے بہتر ہے) یہاں ریا لغوی ہے، اصطلاحی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اظہار عام فائدہ کا ذریعہ ہے، دوسرے دیکھ کر اس کی اقتداء کرتے ہیں، اس لئے وہ مرید کے اخلاص سے بہتر ہے، اس لئے کہ مرید کے اخلاص کا نفع اس کی ذات تک محدود ہے۔

اظہار عبادت پر خوشی کی تیسری نوعیت یہ ہے کہ ہماری نیک نامی ہو اور اس طرح لوگ ہمارے معتقد ہوں گے۔ یہ ریا ہے، جو مذموم ہے۔ حدیث شریف میں اس کے لئے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ (ایضا ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریا کی صورت

مولانا تھانویؒ نے ریا کی ایک صورت اللہ کی ذات سے ریا کرنے والی بھی بتائی ہے۔ ریا کی یہ عجیب وغریب صورت ہے، وہ اس طرح کہ ایک شخص لوگوں کے دکھاوے کے لئے بہت ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھتا ہے اور بظاہر خشوع وخضوع اختیار کرتا ہے، اس کا مقصود شہرت کا حصول ہے اور اپنی بزرگی کا اظہار ہے۔ لیکن بعد میں اس کا قلب اسے مطعون کرتا ہے، اب وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنی اس ریا پر پردہ ڈالنے کے لئے

خلوت میں بھی بہتر سے بہتر نماز پڑھے۔ اس نماز سے مقصود توبہ اور ندامت کا اظہار نہیں۔ بلکہ اللہ کو جتانا ہے کہ میں نے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر جو نماز پڑھی تھی، اس میں ریا کا پہلو شامل نہیں تھا یااللہ، میں اس طرح کی نماز خلوت میں بھی پڑھ رہا ہوں۔

فرد کے نفس کے مکر وفریب اور ریا کی یہ عجیب غریب صورت ہے، جس میں بعض اوقات راہ سلوک کے طالب کو گزرنا پڑتا ہے۔

حکیم الامت، راہ سلوک کے طالب کو حوصلہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُم** (اللہ سے ڈرو جس قدر تم سے ہوسکے) کا مظاہرہ کرکے راہ محبت میں چلتے رہو، ان شاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ**. (اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے) کے مقام تک بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور رسائی ہوجائے گی۔ ابتدائی مقامات میں نفس کی طرف سے ریا کے حملے ہوتے رہتے ہیں۔ ان حملوں سے گھبرا کر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

جذبہ خودنمائی

جدید نفسیات کی نظر میں

جدید نفسیات نے انسان کے جذبہ خودنمائی کے سلسلہ میں جو تحقیق کی ہے، وہ مسلم نفسیات کے ماہروں کی تحقیق کی تائید کرتی ہے۔ عبدالماجد دریا بادی صاحب، جو ایک دور میں سیکولرزم کے دلدادہ تھے، بعد میں وہ توبہ تائب ہوکر، دینی علوم کے ماہر ہوئے، انہوں نے ۱۹۱۵ء میں ''فلسفہ جذبات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں انسان کے جذبہ شہرت اور جذبہ خود نمائی کے سلسلہ میں جدید نفسیات کی تحقیق کا خلاصہ پیش کیا تھا، وہ خلاصہ اس طرح ہے۔

''انسان اگر اپنی روزمرہ سرگرمیوں کا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے بیشتر اعمال کا سبب جذبۂ خودنمائی اور حب جاہ ہی ہے۔ بڑے بڑے فوجی سربراہ اور بہادر انسان جو اپنی جانیں خطرات میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے علم کے پیاسے، جو علمی مسائل کی تحقیق میں اپنی صحت تک برباد کردیتے ہیں۔ بڑی بڑی پاکباز خواتین، جو

اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگیوں سے ہاتھ تک دھو دیتی ہیں، (یہاں پاکباز عورتوں کی بات بے جا نظر آتی ہے۔ مرتب) ان سب کی تہہ میں اکثر یہ جذبہ کام کررہا ہوتا ہے کہ دوسروں کی نظر میں اپنی فضیلت اور برتری ثابت کرکے کسی طرح ناموری حاصل کی جائے۔

ناموری اور خودنمائی کے حصول کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اچھے اعمال کے ذریعہ دوسروں کے ذہن میں اپنے بارے میں اچھا تاثر اور خوش اعتقادی پیدا ہو۔ اس طرح کے لوگ اپنے عمل سے ایثار، ہمدردی، پاکبازی، خدا ترسی اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

خودنمائی وحصول جاہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے علمی کمال حاصل کیا جاتا ہے یا جسمانی صلاحیتوں کو فروغ دیا جاتا ہے، تاکہ ان چیزوں کے ذریعہ سے معاشرہ میں عزت ووقار اور اور توقیر پیدا ہو۔

اس کی تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو محض حصول نام ونمود سے غرض ہوتی ہے، اس سے بحث نہیں ہوتی کہ نیک نامی حاصل ہوگی یا بدنامی۔ عام طور پر لوگوں میں بیک وقت یہ تینوں خواہشات پائی جاتی ہیں، لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے اندر خودنمائی کی صرف ایک صورت موجود ہوتی ہے۔

فرد میں اپنے عیوب کو مخفی رکھنے اور اپنی خوبیوں کو نمایاں کرنے کا جو مادہ موجود ہے، وہ دراصل اسی جذبہ خودنمائی اور حصول جاہ کا نتیجہ ہے، جن خاصیتوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اس سے نام ونمود، عزت وشہرت حاصل ہوگی، ان خاصیتوں کو نمایاں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بدنامی اور سُبکی ہوگی۔ انہیں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی خوبیاں دوسروں کے سامنے اس طرح پیش نہ ہوں کہ نمائش کی جھلک محسوس ہو، ورنہ بات ظاہر ہوجائے گی۔ اس سلسلہ میں یہ احتیاط بھی کی جاتی ہے کہ اپنی تعریف خود نہ کی جائے، ورنہ دوسرے لوگ تعریف کرنے میں بخل سے کام لیں گے۔ داد وستائش اور تعریف ایک عطیہ وانعام ہے، جو سوسائٹی افراد کو از خود خوشی سے

دیتی ہے، جب کوئی شخص خود ہی اپنے آپ کو داد وستائش کا مستحق قرار دیتا ہے تو سوسائٹی اسے اپنی توہین تصور کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ فرد نے اسے ایک حق سے محروم کر دیا ہے۔

انسان نے داد طلبی کے لئے مخفی راستے اختیار کر رکھے ہیں، اس کی ایک دقیق صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں کے سامنے اپنی کمزوریاں خود ہی بیان کرنا شروع کردیتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے اس کا پوشیدہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تردید کرنا شروع کردیں۔ یا کم ازکم اس سے ہمدردی کا اظہار کریں کہ تم ایسے نہیں، بلکہ تم تو بہترین اوصاف وصلاحیتوں کے مالک ہو۔ جب تک لوگوں کے سامنے متکلم کی اندرونی نیت ظاہر نہیں ہوتی، تب تک وہ اس کی مدح وتعریف کرتے ہیں، لیکن جونہی انہیں اصل صورتحال کا علم ہوجاتا ہے تو ان کی نگاہوں سے فرد کی وقعت ختم ہوجاتی ہے۔''

ریا

اعمال کی غارت گری کا موجب

یہاں ریا کے سلسلہ میں اس مشہور حدیث کا بیان ہونا بھی ضروری ہے، شاید خود نمائی سے بچنے اور ہماری دل کی آنکھیں کھلنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت میں ایک عالم، ایک شہید اور ایک مخیّر کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ انہیں پکڑ کر جہنم میں ڈال دیں۔ عالم دین کہے گا یااللہ، میں نے ساری زندگی دینی علم پڑھنے پڑھانے میں صرف کی اور دینی خدمت سرانجام دیتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری رضا کی بجائے دکھاوے اور ناموری کے لئے خدمت دین کا یہ کام کیا تھا، تمہیں دنیا میں شہرت کا پھل مل گیا، یہاں تمہارے لئے اس خدمت کا کوئی صلہ اور حصہ نہیں۔ اسی طرح شہید کہے گا، یا اللہ میں تیرے دین کے راستے میں شہید ہوا، اللہ تعالیٰ اسے کہے گا، تم نے داد وستائش کے لئے اپنی جان قربان کی تھی، تمہیں دنیا میں ناموری حاصل ہوگئی۔ یہاں تمہاری اس قربانی کا کوئی صلہ نہیں۔ مخیّر اور مالدار شخص کہے گا یااللہ میں نے تیری راہ میں اپنی دولت خرچ کی۔ اللہ فرمائے گا تم نے شہرت کی خاطر یہ سب کچھ کیا، دنیا میں تمہیں اس کی شہرت مل گئی، یہاں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں۔

یہ حدیث شریف اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اخلاص نیت پیدا کرنے اور اللہ کی رضا جوئی کے مزاج اور نفسیات کو راسخ کئے بغیر بڑے سے بڑے اعمال حتیٰ کہ خدمت دین، مال خرچ کرنے اور شہید ہونے جیسے اعمال بھی رد کر دیئے جائیں گے۔

ریا کار عالم، ریا کار شہید اور ریا کار مالدار اور ہر ریا کار کا یہ حشر اس لئے ہوگا کہ انہوں نے نفس کی چاہت، ریا اور خود نمائی کو خدا کا مقام دیا تھا۔ یعنی جو کام محض اللہ کے لئے اور اس کی رضا کے لئے کرنے تھے۔ وہ کام انہوں نے نفس کی اکساہٹ پر لوگوں سے داد حاصل کرنے کی خاطر کئے۔

خودنمائی اور ریا سے بچکر اعمال میں اخلاص پیدا کرنے اور محض اللہ کی رضامندی کی خاطر زندگی گذارنے کا جو پھل آخرت میں ظاہر ہوگا، وہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن بندہ مومن دنیا میں بھی اس کے برکات وثمرات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اخلاص کا حصول دین کے مقاصد میں شامل ہے۔ **فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** جیسی قرآن کی بہت ساری آیتوں میں اس کا تقاضا ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے۔

اخلاص کی وجہ سے
جنگل میں منگل کے لطف کا منظر

دنیا میں ملنے والے اخلاص کے ثمرات کے بارے میں مولانا محمد حنیف ندویؒ نے اپنی تفسیر ''سراج البیان حصہ اول'' میں بہت عمدہ بحث کی ہے۔ جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے، ان کے منہ سے جو کلمات نکل رہے تھے وہ یہ تھے، **ربنا تقبل منا** (اے اللہ ہمارے خلوص وایثار کو قبول فرما۔

یہ محض فریب نفس ہے کہ مخلص انسان کی قدر نہیں ہوتی۔ یہ خدا کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف ہے، خدا کے نزدیک خلوص، صرف خلوص ایسی چیز ہے جو اجر کے قابل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے وقت میں جو بالکل غیرتاریخی زمانہ ہے، ایسی جگہ پر جو اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتی، ایک اللہ کا گھر بناتے ہیں، جو آخر

میں لوگوں کے رجوع کا ذریعہ بن جاتا ہے، کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلوص کا نتیجہ نہیں، قبولیت کے لئے ظاہری وسائل وذرائع کی قطعا ضرورت نہیں۔ اخبار ورسائل محراب ومنبر جو اس وقت شہرت کا کا کامیاب ذریعہ ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک اس نوع کی شہرت جس میں خلوص وحسن نیت نہ ہو، وبال ایمان ہے، ایک اللہ کا بندہ شہروں سے دور جنگلوں میں اگر خلوص وحسن نیت کے ساتھ کہیں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائے تو تم آج بھی دیکھ لوگے کہ شہر اور شہر کے تمام اسباب شہرت اس کے قدم چومیں گے اور جنگل میں منگل کا لطف پیدا ہوجائے گا۔ بات یہ ہے کہ ہم مخلص نہیں اور پھر گلہ یہ بھی ہے کہ کوششیں رائگاں جاتی ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا منظر اگر آج بھی دیکھنا ہو تو ابراھیمی ذوق وشوق پیدا کرو۔ (سراج البیان حصہ اول)

اخلاص کی بعض علامتیں
اور اس کی برکتیں اور ثمرات

اخلاص کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ دین کے کسی بھی شعبہ میں خدمات سرانجام دینے والے فرد کے محلّہ یا علاقہ میں اگر اس سے زیادہ باصلاحیت اور مخلص فرد کام کے لئے سامنے آئے تو نہ صرف یہ کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے، بلکہ اس کے لئے حالات سازگار بنانے، خود پیچھے رہ کر اسے آگے لانے کی کاوش ہو اور اس کے اخلاص اور اس کی صلاحیتوں کی دل سے قدر کرکے، اپنے محلّہ یا علاقہ میں اس کی شخصیت سے استفادہ کے لئے اسے موقعہ دیا جائے۔

اخلاص کا یہ معیار ایسا ہے، جو فرد کے کھڑے وکھوٹے ہونے کے لئے کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس معیار پر ہم اگر اپنے آپ کو پرکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس معیار کے کسی ایک حصہ پر بھی ہم پورا اترنے میں ناکام ہیں۔ ہمارے علاقہ میں جو مخلص وباصلاحیت شخص کام کے لئے سامنے آئے گا تو اولین دلی خواہش یہ ہوگی کہ اس پر مختلف الزامات لگا کر یا اسے اپنے مسلک اور اپنی جماعت کا مخالف ثابت کرکے اسے جمنے نہ دیا جائے، یہ عام روش ہے، علماء کرام ہوں یا موجودہ دور کے صوفیائے کرام یا دعوت کا کام

کرنے والے جدید افراد سب کی عام طور پر (الا ماشاء الله) یہی روش ہے۔

یہ روش بتاتی ہے کہ بظاہر تو نام دین کا ہے، بظاہر نام تصوف ومعرفت کا ہے، بظاہر تو کام غلبہ دین کا ہے، لیکن بباطن خود نمائی اور دوسرے باطنی جذبات کارفرما ہیں۔

جب تک تزکیہ کے ذریعہ ان باطنی رجحانات ومیلانات کی اصلاح کا کام نہ ہوگا تب تک دین کے نام پر ہونے والی سرگرمیاں ایک دوسرے سے ٹکراؤ کا ذریعہ ہوں گی اور اپنے شخصی وجماعتی اغراض ہی مقدم ہوں گے۔

اس طرح کی صورتحال میں افراد معاشرہ میں نہ تو دین کے نام پر کام کرنے والے افراد کی قدروقیمت اور اثرات ہوں گے اور نہ ہی معاشرہ کے بڑھتے ہوئے فساد کے ازالہ کی صورت پیدا ہوگی۔ اس لئے اخلاص کے حصول کے لئے کاوشیں کرنا، للھیت کے نقش کو مستحکم کرنا سارے کاموں سے زیادہ اولیں کام کی حیثیت رکھتا ہے۔

اخلاص
قرآن کی نظر میں

اب اخلاص کے بارے میں قرآن شریف کی کچھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

فَادْعُوهُ مُخْلِصِيْنَ لَه المُومِن(آیت ۶۵)

پس تم اس کی عبادت کو خالص کرکے اسی کو پکارو۔

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ . (المومن آیت ۱۴)

پس تم عبادت کو خالص کرکے اسی کو پکارو اگرچہ کافر بُرا ہی مانیں۔

قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ . (الزمر آیت ۱۱)

کہدو کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کرکے اس کی بندگی کروں۔

قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصاً لَّهُ دِيْنِي. (الزمر آیت ۱۴)

کہدو کہ میں اپنے دین کو خالص کرکے اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِيْنَ . (الصافات آیت ۱۶۰)

مگر اللہ کے بندگاں خالص (عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے)۔

وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن . (السجدہ

آیت ۳۲)

اور جب ان پر (دریا کی) لہریں سائبانوں کی چھاجاتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارنے اور خالص اس کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِيْ الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْن. (الحجرات آیت ۳۹۔۴۰)

(شیطان نے) کہنے لگا اے میرے رب جس طرح تونے مجھے گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ اسی طرح میں بھی دنیا میں ان کی نظر میں گناہوں کو مرغوب کرکے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا۔ سوائے ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

اخلاص
بعض اکابر صوفیاء کی نظر میں

ابوعلی رقاق کا قول ہے کہ اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ اعمال میں عارف مخلوق کی رائے سے بے نیاز ہوجائے، یعنی اللہ کی رضا وخوشنودی مدنظر ہو، یہی نہیں، اخلاص کی اعلیٰ ترین سطح یہ ہے کہ اعمال، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اس طرح آپ سے آپ صادر ہونے لگیں کہ خود جذبہ اخلاص پر غور وخوض کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

ابو یعقوب السوسی کا قول ہے۔

جب لوگوں کو اپنے اخلاص میں اخلاص کا احساس ہونے لگے تو انہیں تجدید اخلاص کرنا چاہئے۔

ذی النون مصری فرماتے ہیں۔

اخلاص کی تین نشانیاں ہیں، عوام کی مدح وقدح سے بے پرواہ ہوجانا، اس عمل کو بھلا دینا کہ کچھ اعمال، اخلاص کی بنا پر کئے ہیں، ثواب وآخرت کے جذبہ کو فراموش کردینا۔

ابوعثمان کا کہنا ہے کہ عوام کا اخلاص یہ ہے کہ ان محرکاتِ اعمال میں نفس کا کوئی حصہ نہ ہو اور خاص الخالص حضرات کا تقاضائے اخلاص یہ ہے کہ ان کے اعمال کا سرچشمہ اور محرک خود ذات باری تعالیٰ ہوا، بندگی واطاعت کا ان سے اس طرح صدور ہو کہ گویا انہیں اس سے کوئی غرض نہیں، نہ اعمال میں اخلاص کو دیکھیں اور ٹٹولیں اور نہ

اس کے لئے انہیں کوئی تیاری ہی کرنا پڑے۔ (تعلیمات غزالی، مولانا محمد حنیف ندوی صفحہ۶۹۔۷۰)

حضری سری سقطی کا کہنا ہے: جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے آراستہ کرکے دکھائے، جو درحقیقت اس میں نہیں پائی جاتی ہیں تو وہ شخص اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔

حضرت فضیل کا کہنا ہے کہ لوگوں کی خاطر عمل ترک کردینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔

کسی نے حضرت سہلؒ سے پوچھا کہ سب سے بھاری چیز کیا ہے؟ فرمایا، اخلاص، کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف بن الحسین کا کہنا ہے، دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے، میں نے کئی بار اپنے دل سے ریا کو نکالنے کی کوشش کی، مگر پھر وہ کسی اور رنگ میں ظاہر ہوجاتی ہے۔ حضرت ابوسلیمان کا کہنا ہے کہ جب بندہ میں اخلاص پیدا ہوجاتا ہے تو وہ وسوسوں کی کثرت اور ریا اس سے منقطع ہوجاتی ہے (رسالہ قشیریہ، امام ابو القاسم عبدالکریم صفحہ۴۱۳)

اخلاص

خواجہ شہاب الدین سہروری کی نظر میں

جس شخص میں اخلاص نہ ہو، وہ اللہ کی صحیح عبادت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمیں عبادت کا حکم دیا ہے، اسی طرح اس نے ہمیں اخلاص کا بھی حکم دیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں۔

حضرت صفوان بن عسال کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اخلاص وشرک دوزانو ہوکر، اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہوں گے، اس وقت پروردگار اخلاص کو حکم دے گا ''تم اور اہل اخلاص جنت میں جاؤ'' اور شرک سے کہے گا ''تم اور اہل شرک دوزخ میں جاؤ۔''

مذکورہ بالا اسناد کے حوالے سے حضرت حذیفہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، اخلاص کیا چیز ہے؟ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا اور انہوں نے رب العزت سے اخلاص کے بارے میں سوال کیا، تو اللہ نے فرمایا، اخلاص میرا ایک راز ہے، جسے میں نے اپنے محبوب بندوں کے دلوں میں ودیعت کر رکھا ہے۔ (عوارف المعارف، حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی صفحہ۲۴۱)

اخلاص

حضرت جنید بغدادی کی نظر میں

حضرت جنید بغدادی کی نظر میں اخلاص کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ دل وجان سے اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام تر توجہات کا قلبی مرکز بنالے۔ اس کے سوا نہ کسی کو مقصود بنائے، نہ مطلوب ٹھہرائے، اسی سے لو لگائے، اگر دنیا والے اس کی تحقیر کریں تو اس کے اطمینان میں خلل واقع نہ ہو، اور کسی قسم کا رنج وملال نہ ہو، اگر دنیا والے اس کی تعریف کریں تو اسے ناگوار ہو، کیونکہ اسے یہ خوف دامنگیر ہوتا ہے کہ مبادا، میرے اخلاص میں کمی واقع ہو۔

اخلاص

حضرت مجدد کی نظر میں

حضرت مجدد مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

''شریعت کے تین جزو ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تین جزو ثابت نہ ہوں شریعت متحقق نہ ہوگی، شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی۔ اور یہ رضائے باری ہی تمام سعادتِ دارین کی ضامن ہے۔ اب کوئی مقصد نہ رہا کہ اس مقصد کے لیے شریعت کے علاوہ کسی امر کی احتیاج ہو۔ طریقت وحقیقت، جن کے ساتھ صوفیاء ممتاز ہیں، دونوں شریعت کے جزو سوم یعنی اخلاص کی تکمیل کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ پس ان دونوں کی تحصیل سے غرض تکمیلِ شریعت ہی ہے، نہ کہ کوئی اور امر علاوہ شریعت کے۔ احوال ومواجید، علوم ومعارف، جو صوفیاء کو اثناء راہ میں حاصل ہوتے ہیں، وہ مقاصد نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت ان خیالات کی ہے، جن سے اطفالِ طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں سے آگے بڑھ کر مقامِ

رضا تک پہونچنا چاہئے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے، جہاں مقاماتِ جذبہ وسلوک کی انتہا ہے، اس لیے کہ منازلِ طریقت وحقیقت کو طے کرنے سے مقصود سوائے تحصیل اخلاص کے اور کچھ نہیں اور اخلاص، رضائے باری تعالیٰ کو مستلزم ہے۔ تجلیات ومشاہدات عارفانہ سے گذار کر دولتِ اخلاص اور مقامِ رَضا تک ہزار میں سے کسی ایک کو پہونچایا جاتا ہے۔ کوتاہ نظر لوگ احوال ومواجید کو مقاصد میں اور مشاہدات وتجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ''زاندانِ وہم وخیال'' میں گرفتار اور کمالاتِ شریعت سے محروم رہتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حصولِ مقامِ اخلاص اور وصول مرتبۂ رضا، ان احوال ومواجید اور علوم ومعارف کے تحقق سے وابستہ ہے۔ لہٰذا یہ احوال ومواجید مقدماتِ مقصود ہیں (نہ کہ مقصود)۔ مجھے یہ حقیقت آنحضرت ﷺ کے صدقے میں کامل دس سال کے بعد اس راہ میں چل کر واضح ہوئی ہے، اور ''شاہدِ شریعت'' کما حقہ جلوہ گر ہوا ہے، ہر چند کہ میں شروع سے بھی احوال ومواجید میں گرفتار نہ تھا اور حقیقت شریعت کے تحقق کے علاوہ کوئی مقصد میرے پیشِ نظر نہ تھا، لیکن بعد عشرۂ کاملہ (پورے دس سال کے بعد) حقیقتِ امر پورے طریقے پر ظاہر ہوئی۔ (مکتوب ۳۶ دفتر، اول بنام حاجی محمد لاہوری)

اخلاص کے پیمانے

اخلاص ہی کے ضمن میں بزرگوں کے اس نکتہ کا بیان ہونا ضروری ہے کہ صالح ہونے سے پہلے مصلح ہونا اور دوسروں کی اصلاح کے مقام پر فائز ہونا خطرہ سے خالی نہیں۔ نیز چھوٹے پن کے مقامات طے کئے بغیر قیادت، امارت وخطابت کے مقام پر فائز ہونا بھی بہت خطرہ کی بات ہے۔

اخلاص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ فرد نام ونمود کے ذرائع اختیار نہ کرے، اپنی شخصیت کو دوسروں کے مقابلہ میں نمایاں کرنے کے لئے کوشاں نہ ہو، اپنے لئے کوئی مقام تجویز نہ کرے، اگر اسے امارت وبزرگی حاصل بھی ہے تو اسے اپنے لئے خطرہ محسوس کرے کہ یہی امارت وبزرگی اس کے لئے بربادی کا موجب ہوسکتی ہے۔ اس چیز سے لرزاں وترساں ہو۔

اخلاص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ فرد اپنے دل کے دروازہ سب کے لئے کھلے رکھے، اختلاف رائے کو دوسروں کے ساتھ محبت ورواداری میں حائل نہ ہونے دے۔

اخلاص کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرد کی گفتگو اور تحریر وتقریر سے اپنے اور بیگانے سب یہ محسوس کریں کہ وہ ایک دردمند انسان سے آشنا ہوئے ہیں۔ جو سب کی خیر اور بھلائی چاہتا ہے۔ جو شخصی وجماعتی مفادات سے بالاتر ہے، جو سب کی سعادت دارین کا آرزومند ہے۔

جب اس طرح کے اخلاص کے صاحب افراد تیار ہوتے ہیں تو معاشرہ میں توڑ کی بجائے جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوری کی بجائے قربت کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ محروم لوگ اخلاص کے صاحبوں کی برکت سے بہرہ ور کردیئے جاتے ہیں۔

ریا ہو یا حسد وغیرہ ان ساری بیماریوں سے بچاؤ اور اخلاص پیدا کرنے کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ دل کے صاحبان کی مسلسل صحبت کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان کے دل میں موجود اخلاص وبےنفسی کی کرنوں سے فیضابی کی صورت پیدا ہو سکے۔ صحبت صالحہ کے ساتھ ذکر وفکر کے مجاہدوں سے نفس کے ان طاقتور جذبات کو مضمحل کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن یہ سعادت حاصل نہ ہو سکے تو پھر مراقبہ موت اور اللہ کی شان عظمت کے مسلسل استحضار سے بھی غیرمعمولی فائدہ حاصل ہوگا۔

حسد کا بت

اور اس کی زہر ناکیاں

ایک بڑی بیماری جس نے معاشرہ کو اخلاقی اعتبار سے زیرو زبر کردیا ہے اور افراد کو ایک دوسرے سے متصادم کرکے، اداروں، جماعتوں، تنظیموں اور گھروں میں شدید خلفشار پیدا کر دیا ہے، وہ حسد کی بڑھتی ہوئی بیماری ہے۔ حاسد نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کی دنیاوی، روحانی اور اخلاقی وعلمی ترقی اور شہرت سے جلن اور کڑھن محسوس کرتے ہوئے بے تاب ہونے لگتا ہے۔ یہ بے تابی اسے دوستوں وساتھیوں، اورعزیز واقارب کے خلاف حاسدانہ کارروائیوں پر اکسانے پر مجبور کرتی ہے، اس طرح حسد کی نفسیات معاشرہ میں شیطانی کردار ادا کرتے ہوئے اداروں، گھروں، خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ اور دوستوں کی جدائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

کسی اہل اللہ کا بیان کردہ یہ نکتہ کتاب میں پڑھا تھا کہ ہمیں عام لوگوں سے زیادہ علمی شخصیتوں کے حسد سے خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ان کا حسد معاشرہ میں نہ ختم ہونے والی آگ نہ برپا کردے، جسے بجھانے کی ساری کوششوں کے باوجود بجھایا نہ جا سکے۔

حسد ایک بے لذت گناہ ہے۔ حسد کی جلن فرد کو اندر سے جسمانی اور روحانی اعتبار سے کھوکھلا کردیتی ہے، حسد کی قیمت اداروں، جماعتوں اور گھروں کی بربادی کی صورت میں دینی پڑتی ہے۔ حاسد، حق وصداقت کو جانتے ہوئے بھی محض اندر کی جلن کی وجہ سے انکار کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

حسد
قرآن وحدیث کی نظر میں

قرآن نے اہل کتاب کے حسد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے **وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ** . (البقرہ آیت ۱۰۹) (اہل کتاب میں سے بہت سے دل سے چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر کر ڈالیں۔ محض حسد کی وجہ سے، جو خود ان کے دل ہی میں ہے حق کے واضح ہونے کے بعد)۔

اللہ نے قرآن میں حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ **وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ** (آپ کہئے پناہ مانگتا ہوں) اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے)۔

ایک حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے یعنی جس دل میں ایمان ہوگا، وہاں حسد سما نہیں سکتا۔

حسد کے بارے میں اس سے بڑھکر دوسرا انتباہ کیا ہو سکتا ہے کہ دل میں حاسدانہ ورقیبانہ جذبات پیدا ہونے کے بعد ایمان رخصت ہونے لگتا ہے۔ ایمان جیسی نعمت کو حاسدانہ جذبات پالنے اور حاسدانہ کارروائیوں سے ضایع کرنا بہت بڑا خسارہ ہے، ایمان تو ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کے لئے جان ومال اور ساری دنیا کی دولت کا قربان کرنا سستا سودہ ہے، ایسے باطنی جذبات، جو نفس وشیطان کے پیداوار ہیں، ان سے چوکنا ہوکر، ایمان کی حفاظت کرنا اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوکر دنیا سے رخصت ہونا، صاحبان ایمان کی زندگی کا ہدف ہونا چاہئے۔

حسد
اکابر بزرگوں کی نظر میں

حسد کی بیماری، اس کی نوعیت، اس کے لئے فکر مندی، اور اس بیماری کی سنگینی اور اس سے بچاؤ کی تدابیر جیسے موضوعات پر بزرگان دین کے اقوال میں ہمارے لئے بڑی رہنمائی کا سامان موجود ہے، اس سلسلہ میں یہاں اکابر بزرگوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

حسد کی موضوع پر امام ابو القاسم عبدالکریم نے اپنی کتاب رسالہ قشیریہ (جو

تصوف کی بنیادی کتابوں میں شامل ہے) بزرگوں کے اقوال کے حوالے سے بہت قیمتی بحث کی ہے، یہاں ان کی کتاب سے تفصیلی حوالے نقل کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اے نبی! آپ یوں کہیں کہ میں صبح کے رب کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ لیتا ہوں۔جن کو اس نے پیدا کیا۔

اس کے بعد فرمایا۔ **وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ** (اور جب حاسد حسد کرے تو اس کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو، جسے اللہ تعالیٰ نے تعویذ قرار دیا ہے حسد کے ذکر پر ختم کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبیﷺ نے فرمایا۔

تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں، ان سے ڈرو۔ اور ان سے بچو۔ تکبر سے بچو، کیوں کہ تکبر ہی نے ابلیس کو اکسایا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کر۔ حرص سے بچو۔ کیونکہ آدم کو حرص ہی نے درخت کا پھل کھانے پر مجبور کیا اور حسد سے بچو، کیونکہ حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حسد ہی نے برانگیختہ کیا، کہ اپنے بھائی کو قتل کرے۔

کسی کا قول ہے کہ حاسد (حسد کرنے والا) انکار کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ واحد (اللہ تعالیٰ) کی قضا پر راضی نہیں ہوتا۔ یوں بھی کہا گیا ہے حاسد سردار نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان '' **قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ**. میں ''ما بطن'' کی تشریح کسی نے حسد سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں ہے کہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہے۔

کسی کا قول ہے، حسد کا اثر دشمن میں ظاہر ہونے سے پہلے خود تجھ میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اصمعیؒ کہتا ہے کہ میں نے ایک بدوی کو دیکھا۔ جس کی عمر کے ایک سو بیس سال گذر چکے تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہاری عمر کس قدر لمبی ہے، جواب دیا، میں نے حسد ترک کر دیا۔ لہٰذا میں بچا رہا۔

ابن المبارکؒ فرماتے ہیں۔شکر ہے اس خدا کا کہ اس نے میرے امیر کے دل میں وہ بات ڈالی، جو میرے حاسد کے دل میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے: پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے، جب کسی بندے کا عمل اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی ہے۔ تو یہ فرشتہ کہتا ہے ذرا ٹھہرا جا۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں (اور تیرے عمل میں حسد کی ملاوٹ ہے) لہٰذا میں اس عمل والے کے منہ پر اسے دے ماروں گا۔ اس لئے کہ یہ شخص حاسد ہے۔

حضرت مغویہؓ فرماتے ہیں۔ میں ہر انسان کو راضی کر سکتا ہوں۔ سوائے حاسد کے، کیوں کہ وہ تو بغیر اس کے کہ یہ نعمت مجھ سے زائل ہوجائے، راضی نہیں ہونے کا۔

کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والا ایسا ظالم ہوتا ہے، جو نہ کسی چیز کو باقی رکھتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے۔

عمرؓ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہ نہیں دیکھا۔ کیونکہ حاسد کو ہمیشہ غم رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب تمہارے سامنے آئے تو چاپلوسی کرے۔ اور جب چلا جائے تو غیبت کرے اور جب (محسور پر) مصیبت نازل ہو۔تو وہ خوش ہو۔

حضرت معاویہؓ فرماتے میں۔ شر کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں، اس لئے کہ یہ محسود سے پہلے حاسد کو تباہ کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں تجھے سات چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ میرے نیک بندوں کی غیبت نہ کرنا اور میرے بندوں میں سے کسی سے حسد نہ کرنا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے رب! میرے لئے اسی قدر کافی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے پاس دیکھا۔ انہیں اس پر رشک آ گیا۔ اور پوچھا کہ اس شخص کی کیا تعریف ہے؟ جواب ملا کہ یہ شخص لوگوں سے ان چیزوں پر حسد نہیں کرتا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہوئی تھیں۔

کہتے ہیں کہ حاسد جب کسی کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے۔ اور اس شخص سے کوئی لغزش دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

نیز کہا گیا ہے۔ اگر تو حاسد سے بچنا چاہے۔ تو اپنے امور کو اس سے مشتبہہ بنا کر رکھو۔ کہتے ہیں کہ حاسد اس شخص پر غضب ناک ہوتا ہے، جس کا کوئی گناہ، نہیں اور جو چیزیں اس کی ملکیت میں بھی نہیں ہیں، اس پر بخل کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حاسد کو دوست بنانے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف نہ دو، کیوں کہ وہ تمہارا احسان قبول نہ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر ایسا دشمن مسلط کرنا چاہتا ہے، جو اس پر رحم نہ کرے تو اس پر حسد کرنے والے کو مسلط کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

کسی انسان کے ساتھ صرف یہ حادثہ کافی ہے کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھا رہے ہیں۔

نیز: ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی امید ہوسکتی ہے۔ مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی، جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی رکھتا ہو۔

ابن المعتزؒ کہتے ہیں۔ جب حاسد آہ بھرے تو کہو، اے ظالم! خدا تجھے نیزہ مارے حالانکہ وہ اپنے حسد کی وجہ سے مظلوم دکھائی دیتا ہے۔

نیز: یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کوئی چھپی ہوئی فضیلت لوگوں پر مشہور ہوجائے تو اس کی قسمت میں حاسد کی زبان لکھ دیتا ہے۔''

حسد کے موضوع امام عبدالوھاب شعرانی نے بھی بہت عمدہ بحث ہے ان کی کتاب **تنبیہ المغترین** کا تفصیلی حوالہ ملاحظہ ہو۔

سلف صالحینؒ کے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرتے اور ہر مسلمان کو بطریقِ شرعی نصیحت کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کے سردار ہوتے اور اگر ان کو کسی کے ساتھ حسد یا کینہ ہونا تو وہ کبھی سردار نہ ہوتے اور نہ بادشاہ ان کے قدموں کو بوسہ دیتے۔ پس اے برادر، اگر تو بھی ایسا ہونا چاہے تو نہایت خلوصِ نیت سے ان کا راستہ اختیار کر۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بناوٹ کرنے والے شخص کی حالت سے بعض لوگوں کو مطلع کر دیتا ہے، اس لئے اس کا کام نہیں چلتا۔

میں نے شیخ سید علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرے تو اللہ عزوجل مومنوں کے قلوب کو اس کی محبت میں خالص کردیتا ہے، لیکن جس شخص کی دیانت میں کچھ آمیزش ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کے باطن سے مطلع کردیتا ہے۔ لہٰذا کسی کے دل میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے **ان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب** (حسد نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے لکڑیوں کو آگ) اور جب آدمی کی نیکیاں ضائع ہوجائیں تو اس کی سیادت بھی جاتی رہتی ہے، کیونکہ اسوقت وہ یا تو گنہگار ہوگا یا درمیانی حالت میں ہوگا کہ نہ اس کی کوئی نیکی ہوگی، نہ بدی اور یہ تو معلوم ہے کہ سیادت وتعظیم اس شخص کو ہوتی ہے جسکو اعمال صالحہ میں تمام لوگوں پر فوقیت ہو۔

سفیان ثوریؒ فرماتے تھے، حاسد بدفہم ہوتا ہے، جو شخص خوش فہمی کا خواہشمند ہو، اسکو کسی پر حسد نہ کرنا چاہئیے۔ میں نے کئی دفعہ نئے کپڑے اس خوف سے پہننے چھوڑ دیئے کہ میرے ہمسایہ وغیرہ کو حسد نہ ہو۔

وہب بن منبہؒ فرماتے تھے کہ حسد سے بچو، کیونکہ آسمانوں میں سب سے پہلے اسی گناہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے اور یہی گناہ ہے، جس سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی۔ میمون مہرانؒ فرماتے تھے، اگر تو حاسد کی شرارت سے بچنا چاہے

تو اس سے اپنا کام مخفی رکھ۔

مسعر بن کدام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ سلف اپنے دوستوں کو وفورِ شفقت سے پندونصیحت کرتے تھے، لیکن آج کل نصیحت، عداوت کے مانند ہے، میں کسی کو نصیحت کرتا ہوں تو وہ میرے عیوب تلاش کرتا ہے اور میری نصیحت پر عمل کرنا بھول جاتا ہے۔

محمد بن سیرینؒ فرماتے تھے، میں نے کسی کے دین یا دنیا پر کبھی حسد نہیں کیا اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے، میں عوام کی نسبت عالموں کی شہادت قبول کر سکتا ہوں، لیکن ان میں سے ایک کی دوسرے پر شہادت قبول نہیں کرتا، کیونکہ یہ سب کے سب حاسد ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ فرماتے تھے کہ اوس بن خارجہ سے پوچھا گیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا، حاتم طائی، پھر پوچھا گیا تو اس کے مقابلہ میں کس کا درجہ کا ہے؟ اس نے جواب دیا، میں اس کا خادم ہونے کے بھی قابل نہیں، پھر حاتم طائی سے سوال ہوا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا، اوس بن خارجہ، پھر پوچھا گیا تو اس کے مقابلے میں تم کیسے ہے؟ اس نے کہا، میں اس کے مملوک ہونے کے بھی قابل نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں ہمارے فقہاء اس امر کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

ایک دن عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی قبیلہ کے ایک آدمی سے پوچھا، تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا، اے امیر المومنین میں ہوں، امیر المومنین نے فرمایا تو جھوٹا ہے اگر تو سردار ہوتا تو یہ نہ کہتا۔

ابن سماکؒ فرماتے ہیں، حاسد کی علامت یہ ہے کہ وہ طمع کی وجہ سے تیرے قریب ہوتا ہے، لیکن اپنی بدخلقی اسے تجھ سے دور کرتی ہے، تمام لوگوں سے زیادہ حسد کرنے والے اقرباء اور ہمسائے ہوتے ہیں، کیونکہ وہ انعامات دیکھتے ہیں اور ان پر حسد کرتے ہیں بخلاف ان لوگوں کے، جو دور ہوں، اسی لئے امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ نے ابو موسیٰ الاشعریؓ کی طرف لکھا کہ قرابتیوں کو کہہ دو کہ کبھی کبھی مل لیا کریں، لیکن پاس پاس نہ رہیں۔

پس اے دوست، تو اپنے نفس کی تفتیش کر اور غور کر کہ تو اپنے مسلمان بھائیوں کے انعامات پر جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کئے ہیں، حسد تو نہیں کرتا اور کیا تو ان کے لئے امر الٰہی کے مطابق نصیحت کرتا ہے یا اس کے مخالف ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

حسد کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب ''اللہ کے طالب کا سفر میں'' کافی بحث کی ہے۔ اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

حاسدانہ ورقیبانہ جذبات

راہ سلوک میں چلتے رہنے سے ایک اہم بت، جس سے طالب حق کو واسطہ پڑتا ہے، وہ حاسدانہ ورقیبانہ جذبات کا بت ہوتا ہے، جسے اس راہ میں مسلسل چلتے رہنے سے اللہ اپنے فضل خاص سے، طالب کو اس بت کی پرستش سے بڑی حد تک بچالیتا ہے، اپنے نفسی مشاہدات کی وجہ سے، معاشرہ میں برپا ہونے والے فساد کے بارے میں طالب حق کا یہ تجزیہ ہوتا ہے کہ اس کا ایک اہم اور بڑا سبب افراد کے حاسدانہ و رقیبانہ جذبات ہی ہوتے ہیں، جو انہیں ایک دوسرے سے صف آرا اور متصادم رکھتے ہیں۔ کاروبار ہو یا سیاست، مدارس ہوں یا گھر، اسکول وکالج ہوں یا حکومت ان سب میں کدورت، بُعد، کھینچا تانی اور تصادم میں زیادہ تر یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ حاسدانہ جذبات بظاہر اصولی باتوں اور اہم بنیادی اختلافات کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اہل سیاست کا اہل سیاست سے اختلاف، اہل علم کا اہل علم سے اختلاف، مولوی کا مولوی سے اختلاف، خاندان کے افراد کا ایک دوسرے سے اختلاف، اگرچہ ایک فطری چیز ہے، لیکن اس اختلاف کا دشمنی کی صورت اختیار کرنا۔ اور ایک دوسرے کے لئے

تردید، تذلیل کی کاوشوں کا ہونا، عناد کی فضا کا قائم رہنا، سرد لڑائی کی صورت کا پیدا ہونا، اس مقصد کے لئے دل اور زبان کی توانائیوں کا استعمال ہونا، یہ کاوشیں بتاتی ہیں کہ باطن میں طاقتور نفسی جذبات کارفرما ہیں۔

راہ سلوک میں بھی اگر سالک، فنائے نفس تک رسائی سے پہلے ہی بزرگی کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے یا فائز کر دیا جاتا ہے اور اسے مریدوں اور خادموں کا ایک طبقہ میسر آتا ہے تو وہ اپنی معاصر شخصیتوں کے بارے میں اپنے حاسدانہ ورقیبانہ جذبات کو روکنے اور حد اعتدال میں رکھنے میں اکثر ناکام ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ برداشت کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ اس کی موجودگی، میں اس کے سامنے، اس کے شہر میں اور اس کے علاقہ میں، دوسری شخصیتیں بھی موجود ہوں، جن کی طرف علمی و روحانی فیض رسانی کے لئے لوگوں کا رجوع ہو۔ یہ چیز ایسی ہے، جو اس کے جذبات کو مرتعش کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور معاصر شخصیتوں کی قدر و قیمت گھٹانے کے لئے اکسانے کا موجب بھی۔ ایسی شخصیتیں، جو ان فاسد جذبات سے محفوظ ہوں اور جو دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھکر، ان کے لئے جذباتِ احترام رکھتی ہوں، وہ پاکباز شخصیتیں ہیں۔ اس طرح کی شخصیتوں کے دم قدم سے ہی یہ دنیا آباد وشاداب ہے۔

ایسی شخصیتیں میسر آجائیں تو ان کی صحبت سے اپنے آپ کو ان جذباتِ فاسد سے بچاتے رہنا، اس طرح اپنے آپ کو حسد کی آگ کا ایندھن بننے سے محفوظ رکھنے کی کاوش کرنا، سعادت عظمیٰ ہے۔

حسد کی اس سے بڑھ کر بُرائی اور کوئی ہونہیں سکتی کہ دنیا میں قتل کا پہلا جرم، قابیل کی طرف سے ہابیل کو قتل کرنے کا واقعہ حسد کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔ اس کی سیاہ کاری اور تباہ کن اثرات کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بھی کافی ہے کہ آپ کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے ہی پہلے آپ کو قتل کرنا چاہا، لیکن بڑے بھائی کے مشورے سے انہیں کنویں میں ڈال دیا۔

حسد کی یہ نفسیات ہی ہے، جس نے ہماری سیاست، ہمارے کاروبار، ہماری دینی ومذہبی زندگی اور ہماری گھروں کو خلفشار سے دوچار کر دیا ہے۔ حاسد بظاہر تو نعمتوں کے حامل افراد سے حسد کر رہا ہوتا ہے، لیکن دراصل وہ اللہ کی اس تقسیم پر معترض ہوتا ہے کہ اللہ نے انہیں نعمتوں سے کیوں نوازا ہے۔ ان نعمتوں کا اصل مستحق تو میں تھا۔ اللہ پر معترض ہونے کی وجہ سے اس جرم کی سنگینی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ حسد اپنے ساتھ دوسری بہت ساری برائیاں بھی لاتا ہے۔ غصہ، اشتعال اور ضد کی نفسیات بھی حسد ہی کا شاخصانہ ہوتی ہیں۔ حاسد کی عقل بھی انہی جذبات کے زیر اثر ہوتی ہے۔ اس لئے حاسد صحیح اور معقول بات سوچنے اور سننے کا روادار کم ہی ہوتا ہے۔ حسد کی انہی خرابیوں کی وجہ سے اللہ نے قرآن میں ہمیں حاسدین کے حسد سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے۔ ومن شر حاسد اذا حسد۔

جلن کی نفسیات کے کچھ واقعات

ایک صاحب جو محتاج اور مفلس تھے۔ اسے ایک مخیّر کا علم ہوا کہ وہ غریبوں کے ساتھ نوازش کا معاملہ کرتے ہیں۔ وہ کئی سو میل کا سفر کرکے، ان کی خدمت میں پہنچا اور انہیں اپنی حالت زار بتا کر مالی تعاون کی درخواست کی۔ مخیّر صاحب کو ان کی حالت مفلسی پر رحم آیا ازراہ ہمدردی کہا کہ تمہیں دوچار ہزار دینار دینا میرے لئے کوئی بات نہیں، لیکن اس سے تمہارا کام نہیں چلے گا، چاہتا ہوں کہ جتنی دولت میرے پاس ہے، تم بھی اتنی ہی دولت کے مالک بن جاؤ۔ مفلس نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو ساری زندگی آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا، مخیّر صاحب نے کہا کہ مجھے یہ دولت فلاں فلاں وظیفے پڑھنے سے حاصل ہوئی ہے۔ تم بھی یہاں مقیم ہوجاؤ، چار پانچ سال تک ان وظیفوں پر محنت کرلو، خادم تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ وقت بوقت تمہارے گھر رقم بھیجی جائے گی۔ مفلس نے بڑے ذوق شوق سے ورد وظائف کا عمل شروع کیا، چار پانچ سال تک وظائف پر محنت کی، آخر میں اسے الہامی آواز سنائی دی کہ جو مانگنا

چاہتے ہو، مانگو، اس نے کہا، یا اللہ، میں چاہتا ہوں کہ اس مالدار کی دولت چھن کر مجھے دی جائے، آواز آئی کہ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کی دولت اس کے پاس رہنے دی جائے، تمہیں اتنی ہی دولت الگ سے دی جائے، اس نے کہا، نہیں۔

دوسرا واقعہ بھی اس طرح کا ہے۔ ایک شخص بہت زیادہ مسکین تھے، اپنی حالت کی بہتری کے لئے کئی بزرگوں کے ہاں دعا کے لئے گئے، لیکن حالت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ ایک بزرگ نے انہیں ایک وظیفہ دیا اور کہا کہ اتنے ماہ تک رات کے تہجد کی نماز کے بعد صبح صادق تک یہ وظیفہ پڑھتے رہو۔ انشاء اللہ اس وظیفہ کی برکت سے تمہیں اللہ کی طرف سے معاشی فراوانی حاصل ہوگی، لیکن یہ ضرور ہوگا کہ اللہ سے اپنے لئے جتنی دولت مانگو گے، تمہارے پڑوسی کو اس سے دگنی دولت ملے گی۔ مفلس نے بظاہر تو بزرگ سے یہ کہہ دیا کہ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ مفلس نے بزرگ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھنا شروع کیا، کئی ماہ کے بعد جب وظیفہ کی آخری رات آئی تو دعا کے وقت اس کے اندر میں طوفان برپا ہونا شروع ہوا کہ محنت میں کروں، اور مفت میں پڑوسی کو دگنی دولت مل جائے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس ذہنی کشمکش کی حالت میں صبح صادق گزر رہی تھی، چنانچہ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا مانگیں، اس نے وقت جاتے دیکھ کر دعا کی کہ یا اللہ، میری ایک آنکھ نکال دے، پڑوسی کی دونوں آنکھیں۔ حسد کے سلسلہ میں عام انسانوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے ان قصوں کو مبالغہ پر مبنی قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

یہ واقعات ہمارے آج کے دور کے افراد کی اپنی کہانی معلوم ہوتے ہیں۔ ہم جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ لاتعداد افراد کی کہانیاں انہی واقعات کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اس طرح حاسدین، اپنے ساتھ حسد کرنے والوں کو بھی تباہی کے دہانے لاکھڑا کرنے کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حاسدین، دوسروں کو حاصل ہونے والی نعمتوں کی سلبی کی نفسیات میں جیتے ہیں۔ اور اسی کو اپنی تسکین کا سامان سمجھتے ہیں۔

حسد کا یہ عمل انسان آزاری کی ایسی بُری صورت ہے کہ اس سے بُری صورت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دوسروں کو حاصل شدہ نعمتوں کا زوال چاہا جائے، اگرچہ ان

نعمتوں سے خود بہریابی کی صورت نہ بھی پیدا ہو، لیکن دوسروں پر قدرت کی یہ فیاضیاں دیکھنا پسند نہیں۔

حسد کے فاسد اثرات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مفت میں جلن اور کڑھن کی نفسیات کو پالنا ہے۔ افرادِ معاشرہ کو اس کے مضر اثرات سے معطل کرتا ہے، اپنی اور دوسروں کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانا ہے۔ اللہ کی تقسیم پر اعتراض کرنا ہے۔ شیطانی صفت کا حامل ہونا اور اس سے مشابہت پیدا کرنے کا تاثر دینا ہے، اور افراد، اداروں، جماعتوں اور ملت کو نقصان پہنچانا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آخرت میں نقصانِ عظیم سے دوچار ہونا ہے۔

حسد کی نفسیات نے آج جو صورت اختیار کی ہے، اس کے منظر سے ہماری ساری اجتماعی زندگی بھرپور ہے۔ اس کی ایک بُڑی صورت یہ ہے کہ حاسدین، شیطانی عملیات کے ماہرین سے رجوع ہوکر، اپنے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کے خلاف عملیات کروا کر، ان کے کاروبار اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کو منجمد کردیتے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ان کے کاروبار اور ترقی کے ہر کام میں بندش کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ نے انسان کی آزمائش کی خاطر شیطانی عملیات میں یہ تاثیر رکھی ہے، افسوس ہے کہ حاسدین، حسد کے بے پایاں جذبات سے بے قابو ہوکر، عاملین کو پیسے دیکر، اپنے ہی عزیز واقارب اور دوست واحباب کے خلاف بے دریغ اس شیطانی نسخے کو استعمال کررہے ہیں۔ اس طرح وہ جذبہ حسد کی تسکین کی خاطر معاشرہ کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔

عاشق صادق، آتش عشق میں جل کر، نفس کے ان جذباتِ فاسد کی وسیع دنیا کا مشاہدہ کرکے، ان جذبات کو فضلِ خاص سے مات دینے میں بڑی حد تک کامیاب ہوجاتا ہے۔

ضرورت ہے کہ معاشرہ کو تباہ کرنے والی اس بُرائی سے خود بھی بچنے کی کاوش کی جائے اور افرادِ معاشرہ میں موجود اس بُرائی کے بارے میں احساس کو بھی بیدار کیا

جائے۔ اور اس سے بچنے کی تدابیر بھی بتائی جائیں۔ سب سے بہتر تدبیر تو یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے ذریعہ قلب کو وہ نور فراہم کیا جائے، جس سے قلب، نفس اور نفسی جذبات اور نفسی قوتوں کی بےغمالی سے بچنے کی راہ پر گامزن ہوسکے۔

54

اشتعال اور غیظ وغضب کا بت
اور اس کی صورتیں

فرد وافراد میں ایک طاقتور جذبہ اشتعال کا بھی ہے، جو معاشرہ میں انتشار وفساد کا باعث بنتا ہے۔ اگرچہ غصے اور اشتعال کے جذبہ کے پس پردہ جو اصل قدرتی محرک کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے فرد اپنا بچاؤ کرسکے، اپنی جان ومال کی حفاظت کرسکے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اس جذبہ کا استعمال کرسکے اور دینی مقاصد کے لئے اس سے کام لے سکے۔ لیکن تزکیہ کے فقدان کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ فرد، غصہ اور اشتعال کے شیطان سے بے قابو ہوکر اپنے گھر والوں، دوست واحباب اور اپنے جماعتی وکاروباری ساتھیوں وغیرہ کے لئے باعث خیر وبرکت بننے کی بجائے باعث اذیت ثابت ہوتا ہے۔ فرد وافراد پر غصہ کا یہ شیطان آئے دن مسلط ہوکر، آگ کے شعلے برسانے کا موجب بنتا ہے اور غصہ کی یہ آگ گھروں اور خاندانوں کو بھسم کرنے اور دوست واحباب کے دلوں میں نفرت کی آگ جلانے، اس طرح معاشرہ کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

غصہ کا اظہار جب مولوی، حافظ اور قاری کی طرف سے ہوتا ہے تو اس سے طلبہ میں ردعمل کی نفسیات پختہ ہوکر، دین کے علمبرداروں کے خلاف نفرت کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور طلبہ کی ذہنی نشوونما میں غصہ کا یہ ردعمل کارفرما رہتا ہے۔ غصہ کا اظہار جب بیوی یا شوہر کرتا ہے تو گھر کا ماحول کشیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں میں عدم تحفظ کے احساس کو فروغ ملتا ہے۔ غصہ کا اظہار جب کفر کی عالمی طاقت اور ان کے آلہ کار حکمرانوں سے نفرت کرنے والا فرد کرتا ہے تو اس سے دہشت گردی کی تحریک جنم لیتی ہے اور بے گناہ افراد موت کی نذر ہونے لگتے ہیں اور مارنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ طاغوت کے علمبردار حکمرانوں کے محافظ دستوں، سپاہیوں اور ان حکمرانوں سے نرم

گوشہ رکھنے والی دینی شخصیتوں کو راستہ سے ہٹا کر اسلام کا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہا ہے۔

آج کل اشتعال کی نفسیات اتنی عام ہوگئی ہے کہ بسوں اور گاڑیوں میں سفر کرنے والے افراد ہوں یا بازار میں سودہ خریدنے والے افراد، محفلوں میں تبادلہ خیال کرنے والے افراد ہوں یا چوراہوں پر بیٹھکر حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے والے افراد، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہوکر ایک دوسرے سے تلخ کلامی، گالی گلوج اور ہاتھاپائی تک کرنے لگ جاتے ہیں، آج جب یہ کالم لکھا جارہا ہے تو ہمارے علاقہ حسین آباد حیدرآباد میں بچوں کی تلخ کلامی کے مسئلہ پر دوپڑوسیوں کے درمیاں جھگڑا ہوگیا، لڑائی کا نتیجہ فریقین کے پانچ افراد کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا، انسانی جان اور اس کی عزت واحترام کے سلسلہ میں افراد معاشرہ کی یہ روش انتہائی تشویشناک ہے اور المناک حالات کی نشاندہی کرتی ہے۔

غصہ اور اشتعال، جہاں نفس کی کارستانی ہے، وہاں شیطان کا بھی ایک آلہ ہے، ایسا آلہ، جس کے ذریعہ وہ معاشرہ میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرتا ہے، گھروں میں نااتفاقی پیدا کرتا ہے، طلاق تک نوبت پیدا کردیتا ہے۔ دوستوں میں جدائی اور افتراق پیدا کرتا ہے۔ جماعتوں اور تنظیموں میں افراد کو ایک دوسرے سے صف آرا کر دیتا ہے۔ بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا دیتا ہے اور افراد کو ایک دوسرے سے کینہ اور حسد سے بھر دیتا ہے۔

غصہ اور اشتعال کی حالت میں فرد زبان سے جو الفاظ نکالتا ہے، وہ تیر کا سا کام کرتے ہیں، یہ الفاظ جسم اور دل میں ایسے پیوستہ ہوجاتے ہیں کہ نکلنے کا نام نہیں لیتے، اس طرح زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ایک دوسرے کے درمیاں حجاب بلکہ دشمنی کی دیوار قائم کرلیتے ہیں۔

جب فرد وافراد غصہ کے شیطان پر قابو پا کر تحمل، بردباری اور نرمی کی صفت کا حامل ہونے لگتے ہیں تو معاشرے میں جوڑ پیدا ہونے لگتا ہے۔ رواداری اور محبت کی فضا فروغ پذیر ہونے لگتی ہے۔ ایک دوسرے کے درد کو اپنا درد اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنے کا احساس بڑھنے لگتا ہے۔ اس طرح معاشرہ کے استحکام سے دینی اور نظریاتی استحکام پیدا ہونے لگتا ہے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے۔

ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْم .

(بُرائی کا جواب بھلائی سے دو تو تم دیکھو گے کہ جس شخص کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے، وہ تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا)۔

نرمی اور بردباری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے افراد کی دلیں کشش محسوس کرتی ہے، اور وہ ایسے افراد کے گرد جمع ہونے میں تسکین محسوس کرتی ہیں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ کُنتَ فَظّاً غَلِیْظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِک.

(اللہ کی رحمت کے سبب (جو آپ پر ہے) آپ ان کے حق میں نرم ہیں، اگر آپ (خدانخواستہ) تند خو اور سخت طبیعت ہوتی تو جو آپ کے پاس جمع ہوئے ہیں وہ سب منتشر ہوجاتے) اس آیت میں نرمی کی صفت کے نتیجہ میں لوگوں کے رجوع اور اشتعال کے نتیجہ میں لوگوں کے دور ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

سورہ آل عمران میں ہے **وَسَارِعُواْ إِلَی مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنفِقُونَ فِیْ السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاس** . اور دوڑ اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف، جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرنے والے۔

قرآن میں ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے۔

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (سورہ طــہ آیت ۴۳-۴۴) (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکش ہوگیا ہے۔ پس اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے)۔

اس آیت سے ایک اہم نکتہ جو واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ خالق کائنات کی طرف سے وقت کے سب سے بڑے سرکش کی طرف اپنے منتخب بندے بھیجے جارہے ہیں، انہیں سختی کے ساتھ بات کرنے کی بجائے نرمی سے سمجھانے کی تاکید کی جارہی ہے۔ رب العالمین کی طرف سے فرعون وقت کے ساتھ نرمی کا یہ اسلوب ہمارے لئے نصیحت وسبق ہے کہ ہم اپنے ساتھ وابستہ افراد اور اپنے متعلقین کے ساتھ تند خوئی اور عتاب کی بجائے نرمی ورواداری سے پیش آتے رہیں کہ اللہ کو بندوں کی یہی ادا پسند ہے بالخصوص داعیوں کے لئے تو رحیمانہ وکریمانہ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ موجودہ دور میں اسلام کے نام پر ایک دوسرے کو حریف بنانے بلکہ مٹانے کی جو کوشش ہورہی ہیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔

قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے قصور کو معاف کرتے ہوئے جو الفاظ ادا کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

قَالَ لاَ تَثْرَيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّهُ لَكُم (کہا آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کردے۔)

مولانا تھانویؒ بیان القرآن میں اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: روح میں شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ جو شخص مخلوق کو نظر حق سے دیکھے گا، وہ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے گا اور جو شخص ان کو اپنی نظر سے دیکھے گا وہ اپنی عمر، ان کی بحث اور تکرار میں صرف کردے گا۔''

احادیث میں بھی غصہ کے بجائے نرمی ونرم رویے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

جس شخص کو نرمی کا حصہ دیا گیا، اسے دنیا وآخرت کی نیکی سے بہرہ ور کیا گیا۔

دوسری حدیث ہے:

کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ وہ کون ہے جو دوزخ کی آگ پر حرام ہے اور آتش دوزخ اس پر حرام ہے (سنو) ہر اس شخص پر دوزخ حرام ہے جو لوگوں کے لئے نرم خو ہے۔

فرمایا، کیا تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں ہر وہ شخص جو سخت مزاج، سخت خو، جھگڑالو اور متکبر ہے۔

مادی حسن پر فدائیت کا بت
اور اس کی پرستش

موجودہ دور کا ایک بڑا بت، جس کی عام طور پر پرستش کی جارہی ہے، وہ مادی حسن پر فدائیت کا بت ہے۔ ٹی وی اور انٹرنیٹ کھولی جائیں تو فرد وافراد پر مادی حسن پر فریفتگی کا ایسا جنوں طاری ہوجاتا ہے کہ شب وروز افراد کی سوچ کا رخ ہی یہی بن جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کے رنگیں صفحات اسی مادی حسن کے مظاہر سے بھرے ہوتے ہیں۔ شہروں میں بڑے بڑے بورڈوں میں شہوانیت کو بھڑکانے والی مرد وعورت کی تصاویر چسپاں ہوتی ہیں۔ کاروبار کے فروغ کے نام پر ان بورڈوں پر اعتراض کرنا اور انہیں ہٹانے کی بات کرنا بھی غیر قانونی حرکت تصور کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں اب کاروبار کا حصہ بن چکی ہیں۔

مادی حسن پر فدائیت کے ہمارے اس عنوان سے ہماری مراد جائز وناجائز طریقہ سے جنسی جذبات کو تسکین دینے کے لئے بے چین رہنا، حسین چہروں کو دیکھتے رہنے کی آرزوؤں کا غالب ہونا، نئے نئے مادی حسن پر فریفتہ ہونا، مخالف جنس سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے مضطرب ہونا، مخالف جنس کی آواز سننے سے تسکین حاصل کرنا، بے ریش خوبصورت لڑکوں اور نوجوانوں سے الفت کا تعلق قائم رکھنا اور دل کا ان کی طرف مچلتے رہنا، رقص وسرود اور بے ہودہ گانوں کے وقت دل کے سازوں کا بجنا، اور جنسی اشتعال کے جذبات کا بے قابو ہونا، عورت کا مرد کے لئے اور مرد کا عورت کے لئے برسر عام ایک دوسرے کے لئے والہانہ جذبات کا مظاہرہ کرنا، اور قومی اور تہذیبی اداروں اور میڈیا کی طرف سے مردوزن کی ان عاشقانہ اداؤں کو عام کرنے اور نوجوان کے ایک بڑے حصہ کو اس سحر میں مبتلا کرکے، ان کی توانائیوں اور صلاحیتوں کو مفلوج کرنا، وغیرہ یہ ساری چیزیں مادی حسن پر فدائیت کے بت میں شامل ہیں۔

مادی حسن کے یہ سارے مظاہر ایسے ہیں، جو موجودہ دور میں مادہ پرست عالمی تہذیب کا حصہ ہیں، چونکہ یہ عالمی تہذیب پوری دنیا پر غالب ہے، اس لئے ہمارا میڈیا بھی اسی تہذیب کی خدمت اور اس کے فروغ کے آلہ کی صورت اختیار کر چکا ہے، اور مسلمان ملت میں اس مادی عشق کی روح کو پھونکنے اور اس پر فدا ہونے اور اسے زندگی کا ہدف قرار قرار دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

قدرت نے انسان کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس کے لئے دنیا میں لازوال حسن سے متمتع اور بہرہ ور ہونا ممکن نہیں، ہر جنسی تسکیں اور ہر مادی حسن کے مظاہرہ کے بعد "ھل من مزید" کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ وقتی لذت کے بعد پھر جذباتِ حسن بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس طرح محدود صلاحیتوں اور توانائیوں کا حامل انسان، جنسی تسکیں اور مادی حسن میں اپنی قوتیں صرف کرنے کے بعد ذہنی عدم توانائی اور اعصابی قوت کی غیر معمولی کمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

مادی حسن پر فریفتگی کا دوسرا بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرد وافراد میں فطرت میں موجود معنوی اور حقیقی حسن کی صدا اور عالم امر کی سنائی دینے والی الست بربکم والی گونج کا احساس وادراک سلب ہوجاتا ہے۔ اس سلبی کی وجہ سے دنیا میں حقیقی انسانی اوصاف اور محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کی بنیاد پر تعمیر ہونے والے کردار سے محروم ہوکر، انسانیت اسفل السافلین میں گرنے لگتی ہے۔

مادی حسن پر فدائیت کے جذبات دراصل سراب کی حیثیت رکھتے ہیں، انسان جس طرح پانی کی تلاش میں سراب میں دوڑتا رہتا ہے۔ پانی اسے حاصل نہیں ہوتا، بالآخر انسان دوڑ دوڑ کر پیاس سے ہلاک ہوجاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہے کہ جنسی جذبات کی تسکین اور حسین چہروں کو دیکھتے رہنے کو مقصود زندگی قرار دینے کے بعد اس سے سیر نہ ہونے کی وجہ سے فرد وافراد بالآخر تھک کر اور توانائیوں کے آخری حد تک استعمال کے بعد گر کر مرجاتے ہیں، اور آب حیات حاصل نہیں ہوپاتا۔

مادی حسن کی تلاش میں موجودہ دور کا انسان مارا مارا پھر رہا ہے، لیکن حقیقی حسن تو اسے فطرت میں موجود حسن کی خالق ہستی کے انوار حسن کے مشاہدہ ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، جس کے راستے بدقسمتی سے جدید انسان نے بند کردیئے ہیں۔

مادی دنیا اور مادی حسن پر توانائیاں صرف کرنے کا جو نتیجہ انسان کو حاصل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ لذت کام ودہن کا نیا نیا سامان مہیا ہوگیا ہے، جنسی جذبات کی تسکیں کی نئی نئی صورتیں حاصل ہوگئی ہیں، انسان ہر وقت مادی حسن کے عریاں مناظر سے محظوظ ہوکر، اپنے حیوانی جذبات کی تسکیں کا انتظام کرسکتا ہے۔

اشرف المخلوقات کی یہ حالت ہونا اور انسان کے جوہری وجود کی اس تباہی پر زمین وآسمان جتنا ماتم کریں، کم ہے، اس لئے کہ ساری کائنات کو اشرف المخلوقات کی خدمت ہی کے لئے پیدا کیا گیا تھا اور اور اشیائے کائنات، انسان کی خدمت اور اس کے استفادہ کے لئے بنائی گئی تھیں۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج (جو سارے چیلنجوں پر بھاری ہے۔ جس چیلنج سے نمٹنے میں ہمارے جدید وقدیم تعلیمی ادارے ناکام ہیں) وہ یہ ہے کہ فرد وافراد کو ہر گھر اور ہر دفتر، ہر دکان اور ہر جیب سے بلند ہونے والی مادی حسن کی صداؤں سے کس طرح بچایا جائے۔ مادی حسن کی یہ صدائیں ایسی ہیں، جو نفس کو بہت زیادہ مرغوب ہیں اور نفس ان حسین چہروں اور حسین آوازوں کی گرفت سے اپنے آپ کو بچا سکے، انتہائی مشکل ہے۔

مادی حسن میں مادی عشق بھی آجاتا ہے، جس میں مرد وعورت کے باہمی تعلقاتِ جنس، اور بے ریش نوجوانوں سے عشق کا تعلق بھی ہے۔ موجود دور میں جب سے مادی حسن کے مناظر ومظاہر کی فضا عام ہوئی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ حسین چہروں کے منظر کو گھر گھر پہنچانے کی صورت پیدا ہوئی ہے، تب سے مادی عشق اور حسن پرستی کی بیماری عام ہوئی ہے۔ اور ہر وہ نوجوان جو بہتر دینی تربیت سے محروم ہے، وہ کسی نہ کسی طرح حسن پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔

اس موضوع پر ہم ذیل میں علامہ ابن قیم کی کتاب ''دوائے شافی'' کا ایک تفصیلی اقتباس پیش کرتے ہیں۔

عشق، انسان کو دینی اور دنیوی مصالح سے بالکل غافل اور بے خبر کردیتا ہے اور اسے عشق کی مشغولیتوں ہی میں مصروف رکھتا ہے، اس لیے عشق وصورت پرستی سے بڑھ کر مصالح دین ودنیا کو ضائع کرنے والی کوئی چیز نہیں، کیونکہ دینی مصالح کا دارو مدار جمعیتِ قلب، جمعیتِ خاطر اور توجہ الی اللہ پر ہے۔ عشق اور صورت پرستی قلب ونظر کو کلیتہ متفرق ومتشتت کردیتی ہے اور مصالح دنیویہ حقیقتہ مصالح دین پر موقوف ہیں۔ پس جس کے مصالح دینی ضائع ہوں گے، اس کے مصالح دنیوی یقیناً زیادہ سے زیادہ ضائع ہوجائیں گے۔

عشق کے لیے دنیا وآخرت کی آفتیں اس قدر زیادہ اور تیز ہوتی ہیں، جیسے خشک لکڑی میں آگ رکھنے کی دیر ہو، بلکہ خشک لکڑی میں آگ اس قدر جلد نہیں بھڑکتی، جتنی زیادہ عشق کی آگ تیز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق جس قدر قلب سے نزدیک ہوتا جاتا ہے اور عاشق سے جس قدر اس کا اتصال بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے ددور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس قدر عشاق کو بعد اور دوری ہوتی ہے، کسی کو نہیں ہوتی۔ انسان کا قلب اللہ سے دور ہوجائے تو ہر طرف سے اس پر آفتیں ٹوٹ پڑتی ہیں، شیطان کا اس پر غلبہ ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی پر اس کا دشمن غالب آجائے، وہ مصائب ڈھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرے گا اور جس قدر بھی اس کے امکان میں ایذا اور تکلیف دینا ہوگا، وہ اسے ضرور پہنچائے گا۔ سوچیے! کہ اس قلب کا کیا حال ہوگا، جس پر اس کا قوی ترین دشمن پوری طرح غلبہ پالے، اور اس پر حاوی ہوجائے۔ اس کا ایسا دشمن جو ساری مخلوق سے زیادہ اس کی عیب جوئی اور تخریب میں لگا ہوا ہو اور اسے اپنے حقیقی دوست سے جس کی دوستی اور نزدیکی کے بغیر اسے سعادت نصیب نہیں ہوسکتی، بھٹکانے پر تلا ہوا ہے، اسے فلاح ونجات اور فرحت ومسرت میسر نہیں آسکتی۔

جب اس کا یہ دشمن اس کے قلب پر قابض ہوکر، اس پر اپنی سلطنت وفرماں

روائی قائم کرلیتا ہے تو پھر وہ اس کے ذہن کو کلیتہ خراب کردیتا ہے۔ اس کے اندر وسوسوں کی گندگیاں بھر دیتا ہے۔ بسااوقات اسے دیوانہ بنا کر رکھ دیتا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔

عشاق کی یہ حالت ہر جگہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات مشاہدے سے گزرے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ انسان میں اہم ترین قوت عقل ہے۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان دیگر حیوانات کے مقابلے میں ممتاز ہے۔ عقل ہی ماری جائے تو انسان ایک جانور سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ جانور سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔

مجنوں کی عقل لیلیٰ نے اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کی عقل ان کے معشوقوں نے عشق ومحبت ہی کے ذریعے خراب کی، یا کسی اور چیز کے ذریعے؟ عشاق کا جنون تو عجیب وغریب ہوا کرتا ہے۔ ایک کا جنون دوسرے کے جنون کو مات کردیتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

قالو جننت بمن تھوی فقلت لھم　　العشق اعظم مما بالمجانین

لوگوں نے کہا کہ تو اپنے محبوب کی محبت میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ میں نے ان سے کہا عشق دیوانوں کے روگ سے بھی بڑا روگ ہے۔

العشق لا یستفیق الدھر صاحبہ　　انما یصرع المجنون بالحین

عشق کو کبھی افاقہ نہیں ہوتا اور دیوانوں پر تو کبھی کبھی ہی دورہ پڑا کرتا ہے۔

عشق انسان کے حواس بگاڑ کر بالکل فاسد کردیتا ہے۔ یہ فساد معنوی ہوتا ہے اور صوری بھی۔ فسادِ معنوی، فسادِ قلب کے تابع ہے۔ انسان کا قلب فاسد اور خراب ہوجائے تو اس کی آنکھیں، کان اور زبان تمام چیزیں فاسد اور خراب ہوجاتی ہیں۔ وہ اپنے معشوق کی قبیح ترین چیز کو بھی اچھی سمجھنے لگتا ہے، جیسا کہ ایک مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حبک الشیء یعمی ویصم . (ابو داؤد: ادب)

ایک شے کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔

محبت، قلب کو اندھا کردیتی ہے، جس کی وجہ سے عاشق کو محبوب کی برائیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے کہ اس کے کان دنیا کی ملامت نہیں سنتے، پھر معشوق کی طرف اس کی رغبت معشوق کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی رہتی ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کے عیوب نہیں دیکھا کرتا۔ عیوب اس وقت نظر آتے ہیں، جب اس کی محبت کم ہوجاتی ہے۔ شدید ترین رغبت وشوق اور افراطِ محبت اس کی آنکھوں پر ایک زبردست پردہ بن کر چھا جاتی ہے اور چیز کو اس کی اصل حالت میں دیکھنے سے قاصر کردیتی ہے۔

ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں ایک نوجوان کو حضرت ابن عباسؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ نوجوان بالکل لاغر ہو چکا تھا، ہڈیوں پر چمڑے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ابن عباسؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ایسا کیوں ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ عشق ومحبت نے اسے ایسا کردیا ہے۔ اس دن سے حضرت ابن عباسؓ روزانہ عشق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

عشق افراطِ محبت کا نام ہے۔ محبت اس قدر غلبہ پاجائے کہ انسان کے قلب اور دل پر معشوق کی حکومت قائم ہوجائے اور اس کے خیالات، تصورات، ذکر وفکر پر پورا پورا قابو پالے اور کسی وقت بھی اس کا دل ودماغ معشوق کے تصور سے خالی نہ ہو۔ نوبت جب اس حد تک پہنچ جائے تو پھر اس کا نفس خواطرِ نفسانیہ ہی کے اندر الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح نفس کی تمام قوتیں معطل اور مختل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس تعطل واختلال کی وجہ سے جسم وروح پر وہ آفتیں ٹوٹ پڑتی ہیں کہ انسان کا جینا دشوار اور اس کا علاج ناممکن ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے تمام افعال وکردار، مقاصد ومطالب اور اوصاف واطوار متغیر اور مختل ہو کر رہ جاتی ہیں اور انسان اپنی اصلاح وبہبود سے قطعا قاصر ہوجاتا ہے۔ (''دوائے شافی'' صفحہ ۵۱۷)

چونکہ اس وقت خوبصورت لڑکوں سے عشق کی بیماری بھی عام ہوگئی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں کچھ احادیث اور بعض اکابر بزرگوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو، اس لئے کہ ان کا فتنہ دوشیزہ لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایسی ہی روایت موجود ہے۔

وفد عبدالقیس، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ ان میں ایک نوعمر خوبصورت لڑکا بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی پشت مبارک پر بٹھایا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے کہ مجھے کسی عالم پر نوعمر لڑکے کی طرف سے جو خطرہ ہے۔ وہ ایذا رساں درندے سے بھی بڑھکر ہے۔

حضرت جنید کا کہنا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے پاس ایک شخص آیا، اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا، آپ نے پوچھا، یہ لڑکا، کون ہے۔ جواب دیا، میرا بیٹا ہے، حضرت احمد بن حنبل نے ان سے کہا کہ دوبارہ اسے اپنے ہمراہ نہ لانا، جب وہ شخص کھڑا ہوا تو حضرت امام سے کہا گیا کہ یہ شخص پرہیز گار ہے اور اس کا بیٹا اس سے بھی زیادہ (نیک) ہے تو امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ چاہا، اس میں پرہیزگاری مانع نہیں، یعنی پرہیزگار ہونے کے باوجود نوعمر خوبصورت لڑکے کو اپنے ہمراہ لانا صحیح نہیں۔

ابو ایوب کا کہنا ہے کہ ہم ابو نصر بن حارث کے ساتھ تھے، ان کے سامنے ایک لڑکی آئی، جس سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہم نے نہیں دیکھی، وہ پوچھنے لگی، اے شیخ باب حرم کہاں ہے۔ آپ نے اسے بتایا کہ اس طرف ہے۔ اس کے بعد ایک خوبصورت لڑکا آیا، ایسا لڑکا کہ اس جیسا حسین ہم نے نہیں دیکھا، اس نے بھی شیخ سے باب حرم کے بارے میں دریافت کیا، ابو نصر نے سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ہم نے لڑکے کو بتادیا، جب لڑکا چلا گیا تو ہم نے شیخ سے سوال کیا کہ آپ کے روبرو لڑکی آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا، جب کہ لڑکا آیا تو آپ نے اس سے کلام نہ کیا۔ کہنے لگے کہ ہاں۔ سفیان سوری سے روایت ہے کہ آپ کہتے تھے کہ لڑکی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے، جب کہ خوبصورت لڑکے کے ساتھ دوشیطان ہوتے ہیں۔ میں اپنے نفس پر اس کے دوشیطانوں سے ڈر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ لڑکے کے ساتھ دس سے کچھ زیادہ شیطان ہوتے ہیں۔ (تلبیس ابلیس صفحہ ۴۲۹۔۴۳۰)

مادی حسن پر فدائیت کے موضوع پر ہم نے اپنی کتاب ''اللہ کے طالب کا سفر'' کتاب میں بھی بحث کی ہے۔ ذیل میں وہ بحث یہاں پیش کی جارہی ہے۔

حسین چہروں میں سرگرداں رہنے کی جدید افراد کی نفسیات اور اس کا علاج

جدید دور کا ایک بڑا فتنہ، جس میں بالخصوص نئی نسل بُری طرح مبتلا ہے، وہ نظروں کا فتنہ ہے۔ لڑکا چاہتا ہے کہ ہر وقت مخالف جنس کے حسین چہرے اس کی نظروں کے سامنے ہوں اور لڑکی بھی یہی چاہتی ہے کہ اسے مخالف جنس کے چہروں سے لذتیاب ہونے کا موقعہ ملتا رہے۔ مرد و زن کی تصاویر کی عام اشاعت، ٹی وی، انٹرنیٹ اور اخبارات میں شایع ہونے والی عریاں اور حسین چہروں کے موبائل میں موجود مادی حسن کے منظروں کے مشاہدوں کے لئے مضطربانہ کیفیت پیدا کردی ہے۔

رسمی دینداری کے باوجود یہ حالت عام ہے اور مخالف جنس کے حسن کے مشاہدہ کے جتنے مواقع ملتے ہیں، ان مواقع سے مادی حسن پر فدائیت کی ادائیں اور زیادہ فروغ پذیر ہونے لگتی ہیں۔ ایسی صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ نہ صرف نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، بلکہ بڑی عمر کے افراد بھی مخالف جنس کے ساتھ تعلقات رکھنے، ان کی آواز سننے اور ان کے چہروں سے محظوظ ہونے اور انہیں ایک نظر دیکھنے کے لئے مجنوں وار حرکتوں پر اتر آئے ہیں اور ان کے دلوں میں جذبات کا ایک سمندر ہے، جو ایک دوسرے سے میلاپ کے لئے موجزن ہے۔

عالمی سطح سے لے کر محلّہ کی سطح تک مادی حسن جس طرح عریاں ہو کر سامنے آیا ہے، یہ اس صورتحال کا لازمی نتیجہ ہے۔

ایک عالم دین نے اپنے ایک عزیز کا یہ واقعہ بتایا کہ وہ شروع میں اپنے گھر میں بچوں کو ٹی وی دیکھنے سے سختی سے منع کرتے رہے، لیکن بچے باز نہ آئے۔ وہ خود عمر رسیدہ تھے۔ ۷۵ سال سے زیادہ عمر تھی۔ آہستہ آہستہ وہ خود بھی ٹی وی پر ڈرامے اور مادی حسن کے مناظر دیکھنے لگ گئے۔ کچھ دنوں کے اندران کی محویت اتنی بڑھی کہ

ہر وقت ان کی نظریں ٹی وی پر رہنے لگیں۔

جب عمر رسیدہ فرد کی یہ حالت ہے تو اس سلسلہ میں نوجوانوں کی جو حالت ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، جب سے موبائیل پر پیکیج آنے لگا ہے، یہ معلوم ہوا ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں رات کے وقت گھنٹوں ایک دوسرے سے محو گفتگو رہنے لگی ہیں۔

مادی حسن پر یہ فریفتگی اور شرم وحیاء اور عفت پر مبنی روایات وجذباتِ پاکیزہ کا یہ حشر، مسلم معاشرہ کا اتنا بڑا المیہ ہے، جس پر خون کے جتنے بھی آنسو بہائے جائیں، کم ہیں۔ یہ معلوم کرکے تو دل دکھ واذیت کے احساسات سے لبریز ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی حالتِ اختلاط کی تصاویر نکال کر، موبائل کے ذریعہ ایک دوسرے کو بھیجنے کا رواج بھی شروع ہوگیا ہے۔ یہ قیامت سے پہلے قیامت کا منظر ہے۔ دشمن کی عرصہ سے یہی خواہش اور کاوش تھی کہ مسلم معاشرہ جنس زدگی کے ہیضان میں مبتلا ہوجائے اور اس سلسلہ میں وہ مغربی معاشرہ کی نقالی کی راہ پر چل پڑے، اس لئے کہ مسلم معاشرہ کو اپنی پاکیزہ تہذیب اور خدائی نصرت سے محروم کرنے کی سب سے بہتر صورت یہی ہے۔

مغربی معاشرہ کے افراد نے جب یہ دیکھا کہ عورت کے حسن کے مشاہدہ اور اس سے میلاپ کے بغیر وہ دوچار گھنٹے بھی نہیں رہ سکتے تو اس مقصد کی خاطر وہاں عورت ومرد کے مساوات کی تحریک نے جنم لیا۔ صنعتی معاشرہ اور تہذیب جدید نے ضروریات کو بڑھا دیا اور دوسری جنگ عظیم میں پیدا شدہ معاشی بحران نے عورت کو ملازمت کی خاطر گھر سے باہر نکل کر، مرد کے ہمراہ کام کرنے پر مجبور کیا پڑا۔

اس سلسلہ میں یہی صورتحال مسلم معاشرہ میں بھی تیزی سے پیدا ہوتی جا رہی ہے، اب عورت کا گھر سے باہر نکل کر، ملازمت کرنا محض مجبوری نہ رہا، بلکہ یہ ترقی یافتگی کی صورت بن گیا ہے اور تہذیب کی بھی۔ جو عورتیں گھر میں رہ کر کام کر رہی ہیں، انہیں رجعت پسند اور فرسودہ زدہ سمجھا جارہا ہے۔

مادی حسن پر فریفتگی اور سادہ زندگی سے دستبرداری، ہمارے معاشرہ کو بھی قدم بقدم مغربی معاشرہ کی راہ پر لا رہی ہے، اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوگا، وہ انسان کو حیوان سمجھ کر، حیوان کی اس ضروریات کی تکمیل کے لئے ساری پاکیزہ اخلاقی اقدار کی پامالی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں خاندانوں کی تباہی اور شقاوت قلبی کے مظاہرے عام ہوں گے۔ احساسِ تنہائی اور خود اعتمادی کا بحران ہوگا، اعصابی، نفسیاتی وذہنی بیماریوں کی ایسی وبا پھوٹ پڑے گی، جو ساری ملت کو زیر وزبر کرتی رہے گی۔ جس طرح مغربی معاشروں میں رشتوں کا تقدس ختم ہے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں، ہر شخص اپنی دنیا میں مگن ہے۔ پریشانیوں ومصائب اور اذیت کے حالات اور بیماریوں کے مواقع پر عزیز واقارب کا کوئی سہارا موجود نہیں ہوتا، نفسا نفسی کی فضا غالب ہے۔ یہی صورتحال ہمارے ہاں پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہے، بلکہ عملا یہ صورتحال پیدا ہونا شروع ہوگئی ہے۔

مادی حسن پر فریفتگی کی یہ وہ سزا ہے، جو قدرت کی طرف سے ہر اس قوم کو مل کر رہتی ہے، جو خود فراموشی اور خدا فراموشی میں مگن ہوکر، مادی حسن کو ہی سب کچھ سمجھنے لگتی ہے۔

مادی حسن پر فدائیت جیسی ادائیں، جن پر فرد وافراد توانائیاں اور اپنا جوہر حیات صرف کررہے ہیں، وہ افراد کی ایک ہی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے، وہ غلطی اپنی فطرت اور فطرت میں موجود طاقتور ترین داعیے (تقاضے) کو نہ سمجھنے کی غلطی ہے، جب تک فطرت کے طاقتور ترین داعیے کو سمجھ کر، اس داعیے کی تسکین کا انتظام نہ ہوگا، افراد، مادی حسن کی غلاظتوں کے زیر تلے دبتے چلے جائیں گے، ان غلاظتوں سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، اس طرح وہ سکون وسکینت کی بربادی کے ساتھ ساتھ وقت اور قوت وتوانائی کے ضیاع کا مرتکب ہوتے رہیں گے اور شیطنت کا شکار ہوتے رہیں گے۔

فطرت میں موجود یہ طاقتور داعیہ کیا ہے؟ یہ محبوب حقیقی کے ساتھ والہانہ محبت کا

داعیہ ہے، جسے عشق بھی کہتے ہیں۔ اس والہانہ محبت کے ذریعہ دل و روح، حالتِ وجد میں آنے لگتے ہیں، اس سے انہیں محبوب کے انوارِ حسن سے محظوظ ہونے کی وہ لازوال نعمت عطا ہوتی ہے، جس پر وہ ساری دنیا اور سارے مادی حسن کو لات کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ محبوب سے یہ والہانہ محبت، ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مخلصانہ عبادت، فرد وافراد کو محبوب کی اطاعت کی راہ پر بھی گامزن کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

ہمارے ہاں مرد وعورت سے آزادانہ میلاپ اور ایک دوسرے کے حسن سے متمتع ہونے کے رجحانات کا اندازہ روزنامہ جنگ کے ۱۴ مئی ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں شایع ہونے والی کراچی یونیورسٹی کی ایک شریف طالبہ کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے، جو انہوں کے اخبار کے ممتاز کالم نگار انصار عباسی صاحب کو لکھا ہے، یہ خط موصوف نے اپنے کالم میں لکھا ہے۔ خط کے الفاظ یہ ہیں۔

''محترم انصار عباسی صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

تین چار روز قبل میں نے ای میل میں آپ سے گذارش کی تھی کہ آپ مخلوط تعلیمی نظام کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں تیزی سے پامال ہوتی اسلامی اقدار پر بھی کالم تحریر کریں۔

سر! میں خود کراچی یونیورسٹی شعبہ ..... سال دوم کی طالبہ ہوں اور جب تعلیمی اداروں میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط، میل جول، پکنک، پارٹیز، ہلا گلا، فیس بک اور موبائل چیٹنگ دیکھتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں کہ کیا یہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ جس نسلِ نو کو اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا بار اٹھانا چاہئے تھا، وہ خود اس مملکت اسلام پر بارگراں بنتی جارہی ہے۔ یا اسے سازش کے تحت بنایا جارہا ہے.....؟؟ یقین جانیے، دل خون کے آنسو روتا ہے۔ میرے چچا زاد بھائی نے اس سال کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اس سے انٹرویو میں پوچھا گیا۔ ''کتنی گرل فرینڈز ہیں؟ ڈاڑھی کیوں رکھی ہے؟' میرے ساتھ بھی سال اول میں ہماری انگلش کی

ایک پریزنٹیشن کے دوران کچھ ایسا ہی ہوا۔ ٹیچر نے مجھے کہا کہ میں آپ کے نمبر کاٹوں گی، کیوں کہ آپ پردہ کرتی ہیں اور آپ کے، فیس ایکسپریشنز، میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے کہا، بالکل کاٹ لیں۔ ہم فرانس کو روتے ہیں، مملکت پاکستان کا حال یہ ہے۔ مزید برآں انہوں نے کلاس میں گانوں کا مقابلہ کروایا۔ پریزنٹیشن کے دوران ایک گروپ میں موجود چار لڑکے اور لڑکیوں کو بلایا گیا۔ ہر لڑکے کو دس منٹ دیے گئے اور کہا کہ جو لڑکا دس منٹ میں جتنی زیادہ لڑکیوں سے دوستی کرے گا، وہ جیت جائے گا۔ ٹیچر نے اس گروپ کو بے حد سراہا، بلکہ جس لڑکے نے ان دس منٹ میں لڑکیوں سے موبائل نمبر تک مانگ لئے تھے، اس کے مارکس ۲۔ کردیے گئے۔ سر! زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ مخلوط تعلیم کے خلاف اب وہ آواز بھی نہیں اٹھتی، جو پہلے اٹھتی تھی۔ لگتا ہے مچھیروں کی بستی میں رہتے رہتے کلانچی کی طرح اب ہمیں بھی 'بو' نہیں آتی۔ پہلے مخلوط تعلیم کو بری نگاہ سے دیکھا اور ایسے اداروں کو بحالتِ مجبوری قبول کیا جاتا تھا۔ اب مغربی پروپیگنڈے نے مخلوط تعلیم کو حصول اعتماد سے جوڑ کر اس سوچ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ سر! مجھے اندازہ ہے کہ پاکستان کا تعلیمی نظام وسائل کی اس کمی کا شکار ہے کہ خواتین کیلئے الگ میڈیکل اور انجنیئرنگ یونیورسٹیوں کا قیام مشکل ہے۔ مگر نیت خالص رکھ کر کوشش کریں تو کئی راہیں نکل سکتی ہیں۔ کم ازکم لڑکے لڑکیوں کے سیکشن الگ بنائے جا سکتے ہیں۔ مگر وہ نیتِ خالص کسی اہل اقتدار واختیار کے پاس کہاں؟ اس طبقے کا بس چلے تو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سب سے پہلے اسلامی کا لفظ خارج کریں۔ مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ میری آواز نقارخانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوگی لیکن روزِ حشر کم ازکم دل میں برائی کو بُرا سمجھنے پر شاید کچھ درجے تو بڑھ جائیں گے۔